www.urducouncil.nic.in

اپریل 2021، قیمت :- ₹10

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا
دہلی
Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

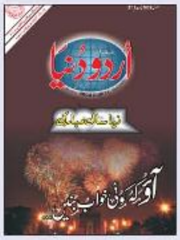

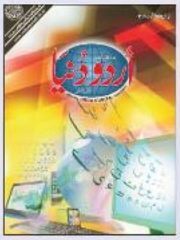

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

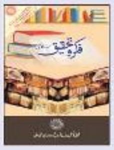

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159
E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد:9 شمارہ:04 اپریل 2021

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

مدیر منتظم : اجمل سعید

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارتِ تعلیم۔محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون:49539000

شعبہ ادارت: 49539009-11

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: 10/ روپے، سالانہ 100/ روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی- 110066

فون:26109746

ای میل: sales@ncpul.in

ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، چھرگٹی، حیدرآباد- 500002

فون: 040-24415194

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
مضامین		
یہاں خوشیاں ہیں کم	ولی محمد قاضی	06
پھلوں کا بادشاہ : آم	نسیم سعید	09
بہترین رفیق	روبینہ	13
بچوں کی تربیت میں والدین کا کردار	چودھری امتیاز احمد	16
تلسی	مریم شمسی	18
نظمیں		
یہ بھی تو مجھ جیسا ہے	غضنفر	20
اسکول چلیں	ابوالخیر نشتر	21
ویر بچے	التفات امجدی	22
پرندے	رونق خلیقی	23
گلہری	عبدالناصر	23
روزے کے فائدے	محمد رفیع انصاری	24
علم کی عظمت	سید بصیر الحسن وفا نقوی	25
باباجانی	عاتکہ ماہین	26
ماہ رمضان	شمشاد احمد رضی	27
التجا	کلیم جاذل	27
یوم صحت	محمد عبادہ قاسمی	28
یہ میرا اورنگ آباد	صبا منیر	29
کہانیاں		
سرخ پانی والی جھیل	انیس مرزا	30
حسد	اقبال برکی	36
خوابوں کی راکھ	ڈاکٹر محمد اطہر مسعود خان	39
اردو میرے گھر میں	ایم رحمان	42
ہمدردی	محمد اسلم تنویر	45
بندر کا سردار	محمد گلزار عالم	48
صحت اطفال		
بچوں کے چند اہم اسپتال	نایاب حسن	54
بچوں کا کتب خانہ		
ادب اطفال کے معمار: نظیر اکبرآبادی	حقانی القاسمی	58
زبان شناسی		
باہم مماثل الفاظ	سید بدر الحسن	60
کہکشاں		
چمن چمن کے پھول		61
ننھے فنکار		
بچوں کی پینٹنگ		62

بچو! آپ اس بات سے بخوبی واقف ہوں گے کہ انسانی زندگی کے سفر میں کئی مرحلے آتے ہیں۔ایک مرحلہ بچپن کا ہوتا ہے، دوسرا جوانی کا اور تیسرا بڑھاپے کا۔ان تینوں ہی مرحلوں کی اپنی اپنی جگہ بہت اہمیت ہے۔'بچپن' اس لیے اہم ہے کہ جوانی اور بڑھاپے کی زندگی کی کامیابی بہت حد تک اس سے جڑی ہوئی ہے۔کیونکہ انسان کے اندر جو صلاحیتیں قدرت کی جانب سے رکھی گئی ہیں، وہ اسی بچپن کے زمانے میں پروان چڑھتی ہیں۔اسی لیے تعلیم کے لیے بچپن کے وقت کو بہت اہم قرار دیا گیا ہے۔جو بچے اپنی تعلیمی بنیادوں کو مضبوط کر لیتے ہیں وہ اعلیٰ تعلیم کی بلندو بالا عمارتیں تعمیر کرتے چلے جاتے ہیں۔اس کے برعکس اگر بچے اس وقت کو غفلت میں گزار دیتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کی کوشش نہیں کرتے تو وہ اپنی جوانی میں عمدہ کارنامے انجام نہیں دے پاتے اور بڑھاپے میں انھیں پچھتانا پڑتا ہے۔

بچو! یہ آپ کے نشوونما کا وقت ہے، جسمانی اعتبار سے بھی اور عقل کے اعتبار سے بھی۔تجربہ بتاتا ہے کہ اس عمر کا پڑھا ہوا دیر تک یاد رہتا ہے۔اس لیے اس بات کی کوشش کریں کہ آپ کا وقت ضائع نہ ہو پائے۔اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جہاں یہ عمر پڑھنے اور سیکھنے کی ہے، وہیں یہ عمر جسمانی نشوونما کی بھی ہے۔اس کے لیے غذائیت سے بھرپور کھانا اور کھیلنا کودنا بھی ضروری ہے۔بعض بچے پڑھنے لکھنے میں تو بہت تیز ہوتے ہیں مگر کھانے پینے اور کھیلنے کودنے میں سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔بعض بچے کھانے پینے کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے، یہاں تک کہ کھیل کود میں بھی دلچسپی نہیں رکھتے۔ظاہر ہے کہ اس طرح ان کی بھوک ختم ہو جاتی ہے اور جسم کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔بعض بچے کھاتے تو بہت ہیں مگر وہ چیزیں جن میں غذائیت برائے نام ہی ہوتی ہے۔چاؤمین، میگی، کُرکُرے، جیسی چیزیں کھا کر ہی پیٹ بھر لیتے ہیں۔اس لیے وہ روٹی، چاول، دودھ، مکھن، دال جیسی غذائیت سے بھرپور چیزوں کے کھانے سے بچتے ہیں۔

بچو! یاد رکھو کہ ہر ذائقہ دار چیز مفید نہیں ہوتی، اس لیے کیا کھانا ہے اور کیا نہیں کھانا ہے، اس سلسلے میں اپنے والدین سے پوچھیں۔وہ آپ کی صحیح رہنمائی کریں گے۔جس طرح اچھا کھانا صحت کے لیے ضروری ہے، اسی طرح کھیل کود بھی لازمی ہے۔

آپ اس وقت جس عمر میں ہیں، اس میں ایک اور چیز آپ کے لیے بہت اہم ہے اور وہ ہے آپ کی اخلاقی تربیت۔یہ بات آپ کو معلوم ہونی چاہیے کہ ہم انسان ہیں یعنی اشرف المخلوقات جس کا تقاضہ ہے کہ ہمارے اندر انسانی قدریں کوٹ کوٹ کر بھری ہوں۔اگر ہمارے پاس اچھی صحت اور تعلیم ہو لیکن اچھے اخلاق نہ ہوں، تو ہم اپنی صلاحیتوں کا مثبت استعمال کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔اس لیے اپنے والدین اور اساتذہ کا کہنا مانئے اور اپنے آپ کو اچھی تربیت سے آراستہ کیجیے۔ان شاء اللہ آپ زندگی کے ہر موڑ پر کامیاب رہیں گے۔

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

زیر نظر شمارہ جلد 9 شمارہ 02 فروری 2021 ہے یعنی 9 سال سے یہ پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اس شمارے میں 6 مضامین، ایک مکالمہ، دس نظمیں، سات کہانیاں، زبان شناس، صحت اطفال، بچوں کا کتب خانہ، کہکشاں، ننھے فنکار، ڈاک خانہ اور اداریہ شامل ہیں۔

اداریے میں مدیر نے بڑی اچھی اچھی باتیں بچوں کو بتائیں اور کہا ''سنہ اور سال ضرور بدل گئے ہیں کیلنڈر بھی تبدیل ہو گیا ہے۔ مگر ہماری ذمہ داریاں اور ہمارے مسائل نہیں بدلے ہیں۔ اب نئے سال میں ہمیں نئے مواقع اور امکانات کی تلاش کرنی ہے۔ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو اور بھی بہتر طریقے سے انجام دینا ہے۔'' مدیر نے سچ کہا نئے سال کے ساتھ ماضی کو بھول جائیں اور نئی امنگوں کے ساتھ کام کریں۔ نئی منزلیں ملیں گی۔ 'بڑوں کی باتیں' ڈاک خانہ میں احقر کا خط ہے جو صحافی دکن کے شکریہ کے ساتھ شائع کیا۔ 'عدیم المثال: لیکسن کا یرا' پر سیدہ نوشاد بیگم کا مضمون بچوں کو ایک سبق دیتا ہے۔ 'خدائے وطن: شہید عبدالحمید' معین الدین شمس نے لکھا ہے۔ 'پیڑ ہمارے سچے دوست' رضا الرحمٰن عاکف کا ہے۔ 'جنگلی جانوروں کا تحفظ انور ادیب کا مضمون ہے۔ 'حساب کی دنیا کا انقلابی نام موسیٰ الخوارزمی: متین الدین کا ہے۔ 'مادری زبان میں تعلیم کی اہمیت' محمد بہلول کا مضمون ہے۔ چھ مضامین کے بعد مکالمہ 'چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی' محمد اسد اللہ نے ایک عام مکالمہ سادہ اور سلیس زبان میں لکھا ہے۔ کرشن کمار طور، متین اچل پوری، عزیز اللہ شیرانی، شکیل سہسرامی، صبیحہ سنبل، تنویر اختر رومانی، عبدالرحمٰن جعفری، محمد انس مسرور، امان ذخیروی، محمد اشرف کی نظمیں ہیں۔

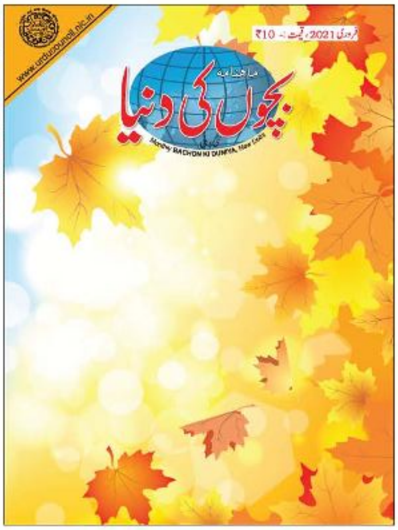

دس نظموں کے بعد (رونق جمال، منظر مظفر پوری، سہیل سالم، گوہر رفیع شاذ، ثنا اسد، فوزیہ عبدالرحمٰن) کی کہانیاں ہیں۔

زبان شناسی کے تحت محاورے پیش کیے گئے ہیں۔ 'صحت اطفال کے تحت' بچے کی صحت، ستیہ گیتا کا مضمون ہے۔

بچوں کا کتب خانہ کے تحت حقانی القاسمی نے 'ایک کوشش' کے بارے میں معلومات دی ہیں۔ 'چمن چمن کے پھول' میں اچھے اشعار کا انتخاب ہے۔ سب سے آخر میں ننھے فنکار کے تحت بچوں کی خوبصورت پینٹنگس ہیں۔

ڈاکٹر م۔ق۔ سلیم، صدر شعبۂ اردو، شاداں کالج، حیدرآباد، تلنگانہ

آپ کی میگزین 'بچوں کی دنیا' کا مطالعہ کرتی ہوں، بے حد معلوماتی اور دلچسپ میگزین ہے۔

ہما ضیاء الرحمٰن انصاری، بھیونڈی، مہاراشٹر

مضمون

یہاں خوشیاں ہیں کم!

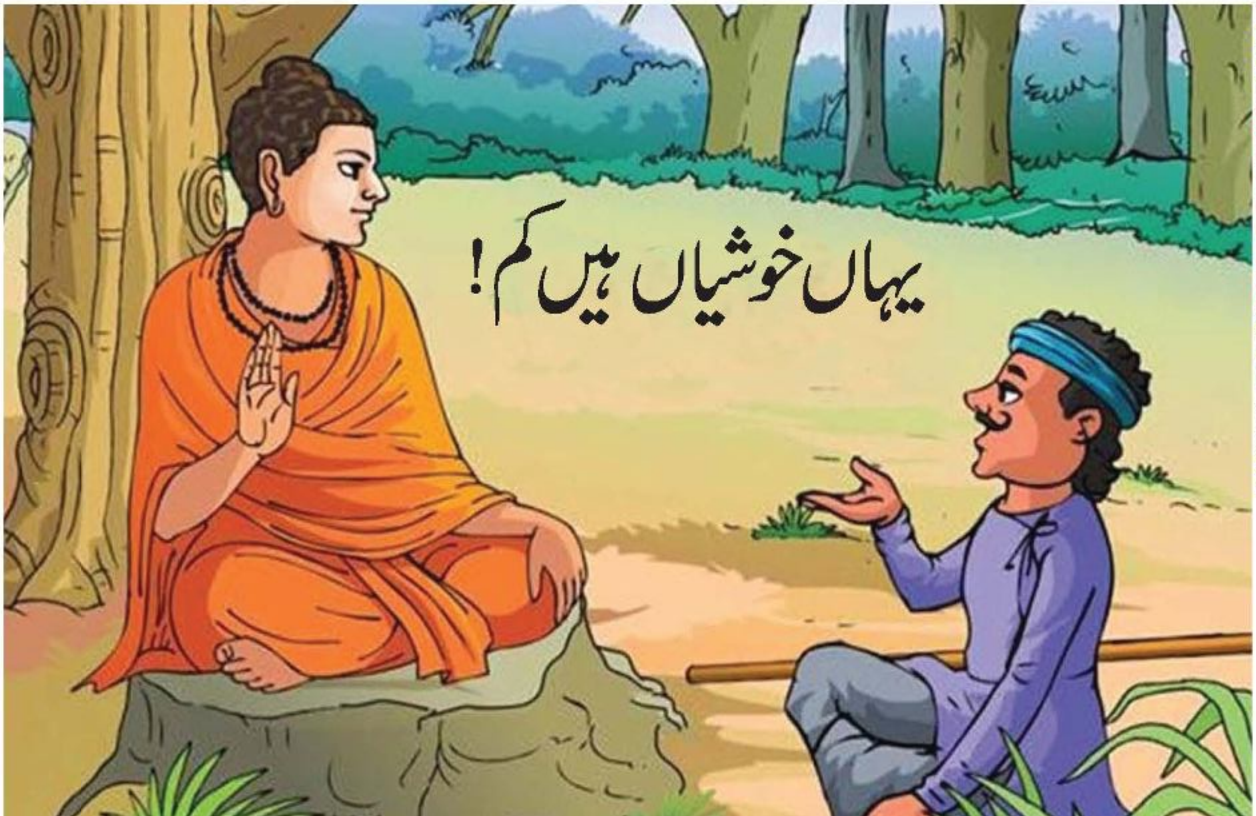

سدھارتھ (گوتم بدھ) ایک شہزادہ تھا۔ شاہی محل میں پیدا ہوا۔ محل میں پرورش پائی۔ اس کے چاروں طرف نوکر چاکر اور کنیزیں موجود تھیں لیکن جیسے جیسے عمر کی منزلیں طے کرتا گیا۔ شاہی محل اور شاہانہ زندگی سے بیزار ہوتا گیا۔ دربار اور سیاست سے اس کی دلچسپی کم ہوتی گئی۔ اس شہزادے کی بیزاری دیکھتے ہوئے اس کی شادی کردی گئی کہ ہوسکتا ہے اسی بہانے وہ کارسلطنت میں دلچسپی لینے لگے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ درباری عیش وعشرت کی زندگی سے بددل ہوکر گھر بار وسلطنت کو خیرباد کہہ کر جنگل کی راہ لی کیونکہ دنیا دکھوں کی آماجگاہ ہے۔ اس لیے ترکِ دنیا ہی میں عافیت ہے۔ آج دنیا کا ایک طبقہ اس کے اصولوں پر عمل پیرا ہے۔ دنیاوی عیش و راحت کو تج کر اپنی روحانی خوشی میں خوش ہے۔

مہاتما گوتم بدھ کے پاس ایک دن کوئی مصیبت کا مارا شخص آیا اور اپنی پریشانیوں اور مصیبتوں کا تذکرہ کیا اور ان

ولی محمد قاضی

ولی محمد قاضی برٹش کمپنی کی ملازمت میں تھے۔ سبک دوشی کے بعد اخبارات و رسائل میں مضامین لکھتے رہے ہیں۔ ان کی تحریریں کوکن کی آواز، روزنامہ انقلاب، اردو ٹائمز، گل بوٹے اور دیگر مقامی رسائل و اخبارات میں چھپتی رہی ہیں۔ بچوں کے لیے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں اور خوبصورت نظمیں بھی لکھی ہیں۔ ان کی عمر 80 سال سے زائد ہے مگر اخبارات و رسائل سے ان کا رشتہ قائم ہے اور اپنے جذبات واحساسات کو تحریری شکل عطا کرتے رہتے ہیں۔

سے التجا کی برائے مہربانی مجھے ان ساری پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات دلا دیجیے۔ مہاتما گوتم بدھ نے اس شخص کی شکایت غور سے سن لی اور یہ کہا کہ "اگر تو اپنی زندگی میں کوئی دکھ و درد نہیں چاہتا ہے اور ہمیشہ خوشیوں کے لمحات میں اپنی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے، تو بس پہلے تجھے ایک چھوٹا سا کام کرنا ہوگا اور وہ کام یہ ہے کہ تجھے کہیں بھی جا کر کسی آدمی کا قمیص لانا ہوگا جو زندگی بھر خوش حال رہا ہے، اور رنج والم نے کبھی اسے اپنا چہرہ نہ دکھایا ہو۔ لہٰذا وہ شخص بہت خوش ہوگیا اور دل میں یہ سوچ کر قمیص کی تلاش میں نکل پڑا کہ کہیں نہ کہیں ہزاروں میں ایک خوش حال شخص مجھے ضرور ملے گا۔ بہرحال اس نے کئی جگہوں پر ڈھونڈا۔ غریب، امیر، تاجر اور بڑے صاحب اقتدار لوگوں سے ملاقات کی اور ان سے اپنا مختصر قصہ سنا کر ایک قمیص کی مانگ کی لیکن سبھوں نے یہی جواب دیا کہ ابھی ہمارے پیچھے ہزاروں دکھ لگے ہوئے ہیں۔ آج ایک خوشی مل جاتی ہے تو دوسرے دن کئی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ غرض ایسے کئی دن گزر جانے کے بعد بھی اس کی آرزو پوری نہیں ہوئی۔ آخر ایک دن وہ اداسی کے عالم میں کسی شہر سے گزر رہا تھا تب اس نے دیکھا کہ سونے کے زیورات سے بھری ہوئی ایک دکان میں جوہری بڑی خوش اخلاقی سے اپنے گراہکوں کے ساتھ لین دین کی باتیں کر رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ اب میری دلی خواہش ضرور پوری ہونے والی ہے۔

آج ایک خوشی مل جاتی ہے تو دوسرے دن کئی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ غرض ایسے کئی دن گزر جانے کے بعد بھی اس کی آرزو پوری نہیں ہوئی۔ آخر ایک دن وہ اداسی کے عالم میں کسی شہر سے گزر رہا تھا تب اس نے دیکھا کہ سونے کے زیورات سے بھری ہوئی ایک دکان میں جوہری بڑی خوش اخلاقی سے اپنے گراہکوں کے ساتھ لین دین کی باتیں کر رہا تھا۔

آخر اس نے فرصت کے لمحات کو دیکھ کر جوہری سے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ جوہری نے اس کی باتیں سن کر افسوس سے کہا کہ تو جو کچھ ساز و سامان اور عیش و عشرت کے پہلو دیکھ رہا ہے وہ محض دھوکا ہے اور ساتھ ہی ساتھ میرے ہونٹوں کی اس ہنسی کو دیکھ کر تجھے یہ گمان ہو رہا ہے کہ میرے قدموں کو خوشیاں چوم رہی ہیں اور دنیا کا میں واحد خوش حال فرد ہوں۔ مگر میرے بھائی حقیقت یہ ہے کہ میرے جیسا دکھی، بدنصیب اور خون کے آنسو رونے والا شاید اس دنیا میں کوئی موجود ہو؟ یہ کس بلا کا نام ہے؟ جس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں تو سکھی انسان ہوں۔ روزی روٹی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جنگل کے پھل کھاتا ہوں اور خرگوش کا شکار کر کے اس کے گوشت سے لطف اندوز ہو جاتا ہوں۔ اور نزدیک ابلتے ہوئے چشموں کا صاف و شفاف پانی پی لیتا ہوں لیکن میں معذرت کے ساتھ یہ بتا رہا ہوں کہ میرے پاس کوئی قمیص نہیں ہے جسے میں آپ کے حوالے کر دوں۔

اب اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ سمجھ گیا کہ یہ دنیا ایسی جگہ

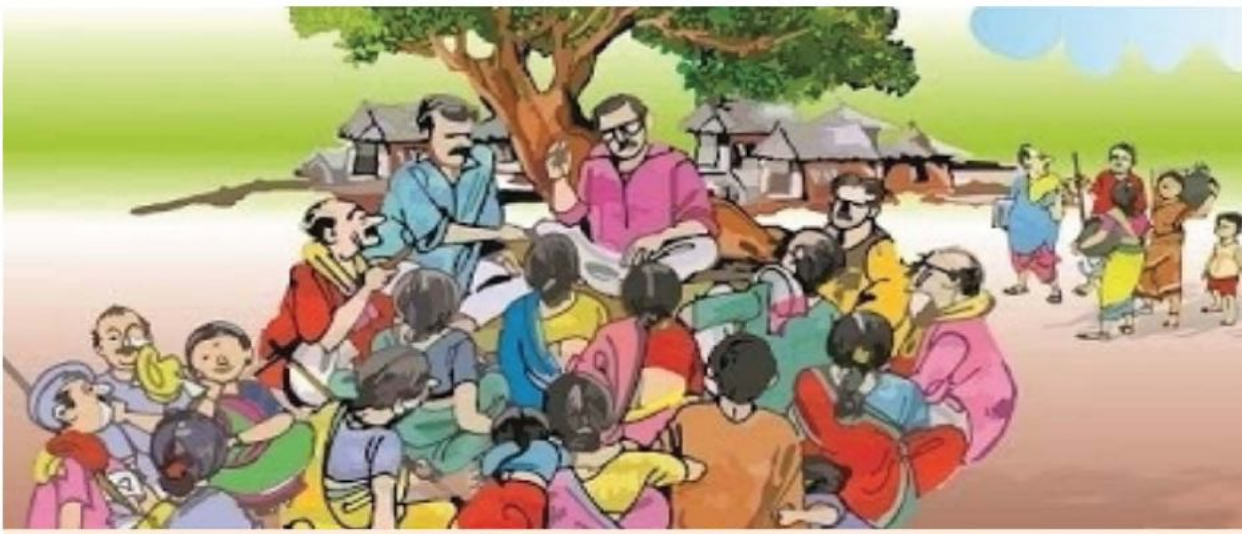

سب راز کی باتیں ہیں جسے میں ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھتا! لیکن میں تجھے یہ کہوں گا کہ اس شہر میں بہتی ہوئی ندی کے اس پار جنگل میں کچھ کچے مکانات پر مشتمل غریبوں کی ایک بستی آباد ہے۔ ہو سکے تو وہاں جا کر تجھے کامیابی حاصل ہو۔ بہر حال جوہری کے کہنے کے مطابق وہ شخص جنگل میں اس بستی کے قریب پہنچا۔ وہاں اس نے ایک نوجوان کو پھٹی ہوئی نیکر (Panties) پہنے ہوئے اپنی دھن میں بانسری بجاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے چہرے پر خوشیوں کے آثار نمودار تھے۔ جب اس شخص نے اس غریب نوجوان سے اپنا حال بیان کیا اور اپنے دکھ سے چھٹکارا پانے کے لیے اک عدد قمیص کی مانگ کی تب اس نوجوان نے حیرت زدہ ہو کر پہلے یہ سوال کیا کہ یہ دکھ ہے کہ جہاں کسی کے پاس سب کچھ ہے مگر شادمانی کا نام و نشان نہیں اور جس کے پاس ڈھیر ساری خوشیاں موجود ہیں مگر جینے کے لیے کوئی چیز موجود نہیں۔ غرض اس دنیا میں ہم کسی سے پوچھیں گے تو وہ یہی جواب دے گا کہ خوشی کے لیے میں آج کئی دنوں سے ترس رہا ہوں۔ پس یہاں ہر راحت کے پیچھے تکلیف کا کانٹا لگا ہوا ہے اور ہر تکلیف کے پیچھے مسرت کا پھول چھپا ہوا ہے۔

■

Vali Mohammad Kazi
G-105, Tanwar Nagar
Kausa, Mumbra
Distt.: Thane (Maharashtra)

پھلوں کا بادشاہ: آم

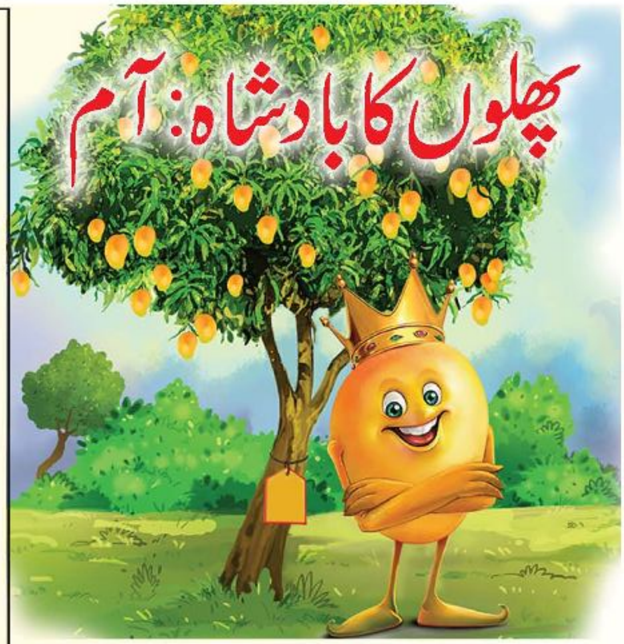

نسیم سعید

نسیم سعید کا تعلق اردو کے شہر کامٹی ضلع ناگپور (مہاراشٹر) سے ہے۔ کامٹی کی مشہور و معروف ایم ایم ربانی ہائی اسکول میں گذشتہ چوبیس برسوں سے سائنس و ریاضی کے معلم ہیں۔ بچوں کے لیے سائنسی و ادبی مضامین تخلیق کرنا اپنی زندگی کا بنیادی مقصد سمجھتے ہیں۔ 'یہ ہماری قوم'، 'سائنس بک'، 'تحریر سعید' اور 'ریشمی رشتے' نامی تصنیفات منظر عام پر آچکی ہیں۔ آکاشوانی ناگپور سے بھی کئی تعلیمی پروگراموں میں حصہ لے چکے ہیں۔ بچوں کی دنیا، ماہنامہ امنگ وغیرہ میں ان کی اکثر تخلیقات شائع ہوتی رہی ہیں۔

گرمی کے موسم کا آغاز ہوتے ہی آم کے درختوں سے بھینی بھینی، ہلکی ہلکی اور رس بھری خوشبو آنا شروع ہوجاتی ہے۔ انسانی نگاہیں خاص طور پر چھوٹے بچوں کی نظریں خود بخود اُس طرف اُٹھتی ہیں اور للچائی نگاہوں کا اثر زبان پر دکھائی دینے لگتا ہے۔ منہ پانی سے بھر آتا ہے۔ آم کے باغوں میں تو ان دنوں کا منظر دیکھنے لائق پوتج ہے۔ بچپن کی ہر عادت و حرکت کی یاد تر و تازہ ہوجاتی ہے۔ درختوں پر لگے کچے آموں کو حاصل کرنے کے لیے بھاگ دوڑ شروع ہوجاتی ہے۔ دوستوں کی ٹولیاں بھری دوپہر میں لیٹے ہوئے والدین کی آنکھوں کو ٹٹولنا شروع کر دیتی ہیں۔ پلک جھپکتے ہی یہ جا اور وہ جا۔ ہاتھوں میں پتھر اُٹھائے، باغ مالک کی نظریں بچاتے ہوئے درخت کی طرف اُچھال دیتے ہیں۔ نشانہ کامیاب رہتا ہے تو چند آم نصیب میں آجاتے ہیں۔ اگر باغ مالک ہوشیار ہوگیا تو سرپٹ دوڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ اُن دنوں بھری دوپہر کی خاموش فضاؤں اور راستوں پر گردوغبار میں لپٹے ایسے آوارہ لڑکوں کی ٹولیاں دکھائی دینا معمول کی بات ہے۔ بچپن بھی خوب ہوتا ہے جب انسان اپنی ہر فطری

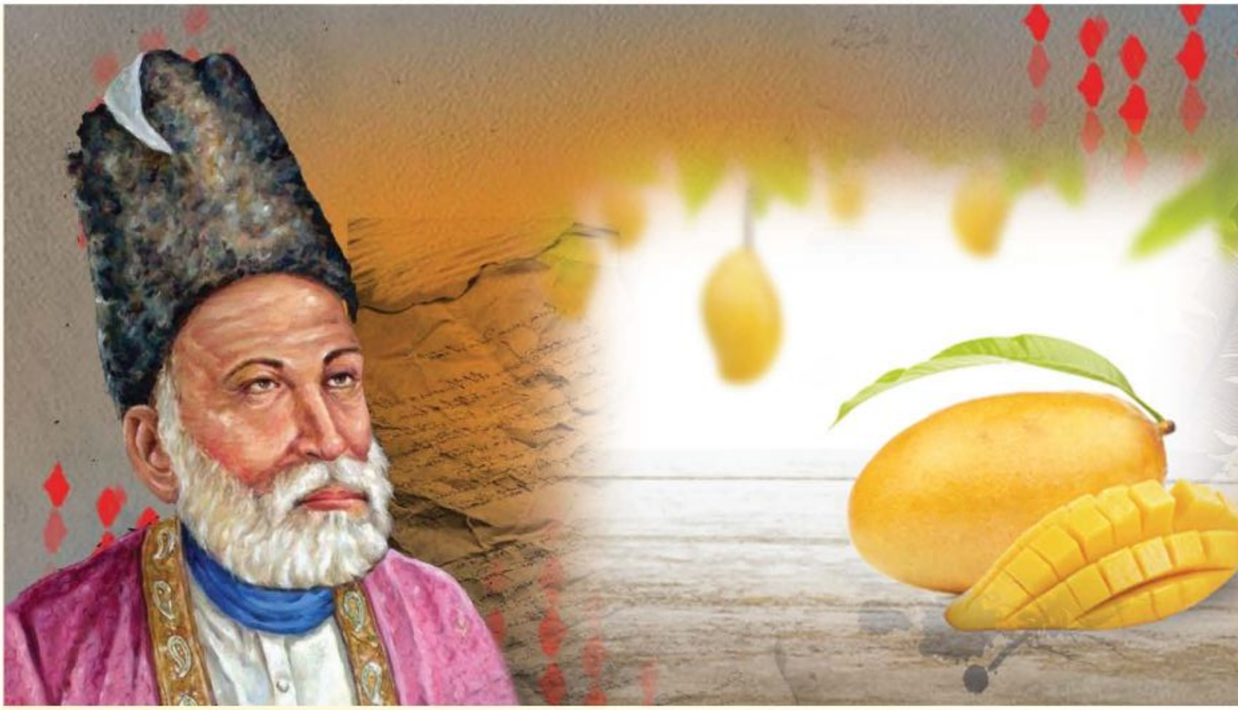

حرکت کا مظاہرہ بے باکانہ انداز میں کرکے خود کو مطمئن کرپاتا ہے۔ سارے بندھنوں سے آزاد عمر کی اُس دہلیز پر انسان اپنی زندگی کے سب سے خوشگوار لمحے بتاتا ہے۔

آم کا پھل تمام پھلوں کا بادشاہ ہے۔ تاریخ کے حوالے سے پتہ چلتا ہے کہ چار ہزار سال قبل بھی زمین پر آم کا درخت موجود تھا۔ پوری دُنیا میں اس کی تقریباً پانچ سو سے زیادہ انواع واقسام پائی جاتی ہیں۔ 327 قبل مسیح میں فاتح عالم سکندر اعظم کی فوجوں نے سندھ کی وادی میں آم کے درخت دیکھے تھے۔ برصغیر کے مغل عہد میں جابجا اس پھل کا تذکرہ ملتا ہے۔ بانی مغل سلطنت ظہیرالدین محمد بابر اس پھل کا دلدادہ تھا۔ تزکِ بابری میں پھلوں اور پھولوں کے باغوں کے ساتھ اس پھل کا بھی تذکرہ خوب ملتا ہے۔ خاندانِ تیمور اور اُس کے والیان باغوں اور قدرتی مناظر کے شوقین تھے۔ شہنشاہ اکبر جب کشمیر کی سیاحت کے لیے جاتے ہیں تو وہاں ایک لاکھ آم کے درخت لگانے کا حکم صادر فرماتے ہیں۔ بادشاہ جہانگیر سے لے کر آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر تک تحریر کی گئی کتابوں میں اس پھل کا جابجا ذکر ملتا ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ مغل عہد میں آم کو شاہی پھل ہونے کا درجہ حاصل تھا۔ 1846 میں جنم لینے والے شاعر اکبرالہ آبادی کو آم کے سوا کچھ اور بات کرنا قطعی ناپسند تھا:

نامہ نہ کوئی یار پیغام بھیجئے
اِس فصل میں جو بھیجئے، بس آم بھیجئے

اُردو کے مشہور شاعر مرزا اسداللہ خان غالب آم کے شیدائی تھے۔ بہادر شاہ ظفر کے ہمراہ آم کے باغوں میں چہل قدمی کے دوران ٹوکری بھر تازہ آم بھیجنے کی التجا بادشاہِ وقت سے کر بیٹھتے ہیں۔ اس واقعے سے ہی غالب کی آم کے تئیں والہانہ محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بھگوان بدھ کے مراقبے کا عمل اکثر آم کے پیڑ کے زیرِ سایہ ہوا کرتا تھا۔ پہلے بچپن میں اکثر والدین اپنے بچوں کو آم کا تازہ رس اور گرما گرم روٹیاں ناشتے میں دیا کرتے تھے۔ بعض دفعہ آم کے رس میں دودھ ملا کر اُس کا ذائقے دار مشروب بھی تیار کیا جاتا تھا اور مہمانوں کے استقبال کے لیے اُس مشروب کو پسندیدہ

مضمون

قرار دیا جاتا تھا۔ کچے آموں کے انواع واقسام کے اچار اور اُس کے مربّے اپنی نوعیت کے لحاظ سے لوگوں کی اولین پسند ہوا کرتے تھے۔

آج دُنیا بھر میں سائنس کی بدولت ہزار سے بھی زیادہ آم کی اقسام موجود ہیں۔ آموں کے موسم میں عالمی وعلاقائی سطحوں پر اس کی اقسام کی نمائش آج فیشن پرستی کے ساتھ اس کی چاہت کا اظہار بھی ہے۔ آج آم کی پیداوار دُنیا کے ہر خطے میں ہوتی ہے۔ برصغیر میں پائے جانے والے آموں کی نوعیت، لذت، ذائقہ، مٹھاس اور خوشبو کی کچھ الگ ہی بات ہے۔ بھارت میں اس کی کئی اقسام اپنے آپ میں بے مثال اور نایاب ہیں۔ صحت کے لحاظ سے بھی گرمی کا یہ پھل بہت فائدے مند ہوتا ہے۔ حکیموں اور طبیبوں نے اس پھل کو مختلف بیماریوں سے شفا کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

آج کے دور کی سائنسی تحقیق یہ انکشاف کرتی ہے کہ آم خون میں موجود شکر کی مقدار کو حسبِ معمولِ صحت رکھتا ہے۔ خون کے دباؤ میں کمی یا زیادتی پر ضبط رکھتا ہے۔ دماغی قوت میں اضافہ کرتا ہے۔ ہڈیوں کو بھی مضبوط کرتا ہے۔ دلوں کے امراض پر قابو رکھتا ہے۔ دل کی صحت میں اضافہ کرتا ہے۔ کینسر کے خلیات کو بڑھنے سے روکتا ہے۔ ہر دم جواں، چست اور چاق و چوبند بنے رہنے میں معاون و مددگار بھی ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ آم قوتِ مدافعت کو بھی فروغ دیتا ہے اور نظامِ انہضام کو مضبوطی عطا کرتا ہے۔

آج کے اس ڈیجیٹل دور میں آم بھی ڈیجیٹل پھل ہوگیا ہے۔ مینگوڈاٹا بیس ویب سائٹ پر ہندوستانی آموں کی مقبولیت کو بیان کرتی ڈیجیٹل داستان دیکھنے کو ملتی ہے۔ جہاں صوبہ مہاراشٹر کے کوکن خطے کے آم کی پیداوار پوری دُنیا میں مقبول عام ہے۔یہاں کے آموں کے شوقینوں کی دُنیا بھر میں کمی نہیں ہے۔

سائنسی نقطۂ نظر سے ایک متوسط کچے آم میں 103 کیلوری، 28 گرام نشاستہ، ایک گرام حیاتین، 4.0 گرام چربی، تین گرام غذائی ریشے، 7.45 ملی گرام وٹامن سی ہوتا ہے۔ ایک پکے ہوئے آم میں چودہ فی صدی شکر، 5.0 فیصد ترشی یا کھٹاپن بھی ہوتا ہے۔

اس کی چند مشہور ومعروف اقسام کا ذکر کریں تو اُن میں ہاپوس، دسہری، بیگن پلی، مالدہ، چوسا، بادامی، طوطاپری وغیرہ فہرست ہیں۔ ہاپوس کو انگریزی زبان میں الفانسو بھی کہتے ہیں۔ یہ آم مٹھاس، بو اور ذائقے کے معاملے میں اول نمبر پر ہے۔ کوکن کے علاقے کے ہاپوس کا تو جواب ہی نہیں۔ غیر ممالک میں بھارتی ہاپوس آم کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ وہاں اس آم کو حاصل کرنے کے تئیں لوگوں پر ایک جنون سا سوار رہتا ہے۔ دسہری آم اتر پردیش میں خوب پایا جاتا ہے۔ دراصل دسہری اس صوبے کے ایک مشہور گاؤں کا نام ہے۔ آم کی یہ فصل اس گاؤں کے نام سے ہی منسوب ہے۔ جو یہاں خوب اگائی جاتی ہے۔ بیگن پلی کی پیداوار آندھرا پردیش اور اڈیشہ میں کثرت سے ہوتی ہے۔ مالدہ نامی آم شمالی بھارت میں خوب ہوتا ہے۔ اس کی خوشبو قابلِ ستائش ہوتی ہے۔ یہ آم کی جلدی پکنے والی قسم ہے۔

اتر پردیش کے سہارنپور، امروہہ کے آس پاس علاقوں

میں چوسا آم کے باغات ہیں۔ اس کی برآمد خلیجی ملکوں خصوصا سعودی عرب، دوبئی، عمان، کویت اور یوروپ میں خوب ہوتی ہے۔ امروہہ شہر کا نام ہی آم کے نام پر پڑا ہے۔ یہ آم سنہرے پیلے رنگ کا ہوتا ہے۔ بادامی آم کی شیرینی لاجواب ہوتی ہے۔ آموں کے مشروب کے لئے یہ ایک اچھی قسم مانی جاتی ہے۔ کیسر آم صوبہ گجرات اور سوراشٹر سے زیادہ آتا ہے۔ رنگ اور خوشبو کی وجہ سے اس کا نام کیسر آم پڑا۔ اس کے گودے میں ریشے بالکل نہیں ہوتے۔ آم کے اوپری حصے کا رنگ سرخ ہونے کی وجہ سے یہ قسم سندھورا آم کہلائی۔ یہ آم بہت ہی رس دار اور گودے دار ہوتا ہے۔

لنگڑا آم بھی کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ اتر پردیش کے نزدیکی علاقوں سے اس کا گہرا ناطہ ہے۔ دوسرے آموں کے مقابلے یہ ذرا گہرا سبز اور دائرہ نما ہوتا ہے۔ الفانسو سے قد میں تھوڑا چھوٹا اور اس کی چونچ ذرا باہر نکلی ہوئی ہوتی ہے۔ ہم ساگرنامی آم خاص طور پر مغربی بنگال سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ دیکھنے میں ذرا گہرا سبز ہوتا ہے مگر ذائقے میں لاجواب ہوتا ہے۔

مَن کراڈ آم کی پیداوار خاص طور سے گوا میں ہوتی ہے۔ یہ آم بے ریشہ ہوتا ہے۔ لذت اور دام کے معاملے میں یہ ہاپوس سے بھی آگے ہے۔ مگر ان سب کے درمیان دیسی آم بھی اپنے وجود کا احساس کراتا ہے۔ گلی کوچوں میں لگنے والا غریبوں کی پہلی پسند کا یہ آم برصغیر کے ہر گاؤں، قریے اور شہر میں خوب فروخت ہوتا ہے۔ اس قسم کے آموں کی جسامت تھوڑی چھوٹی ہوتی ہے۔ لیکن شیرینی اور لذت کے معاملے میں یہ بھی کسی سے کم نہیں ہے۔

آج کے اس ڈیجیٹل دور میں آم بھی ڈیجیٹل پھل ہو گیا ہے۔ مینگوڈاٹا بیس ویب سائٹ پر ہندوستانی آموں کی مقبولیت کو بیان کرتی ڈیجیٹل داستان دیکھنے کو ملتی ہے۔ جہاں صوبہ مہاراشٹر کے کوکن خطے کے آم کی پیداوار پوری دُنیا میں مقبولِ عام ہے۔ یہاں کے آموں کے شوقینوں کی دُنیا بھر میں کمی نہیں ہے۔ ہندوستانی آموں کی پسندیدگی کا عالم یہ ہے کہ دُنیا کی دوتہائی آبادی اُسے اپنی اولین غذا کے طور پر ترجیح دیتی ہے۔ شاہد یہی وجہ ہے کہ ہندوستان جیسے عظیم ملک میں آم کے پھلوں کی کثیر پیداوار ہونے کے باوجود چالیس فی صدی فصل دوسرے ملکوں میں برآمد کی جاتی ہے۔ دُنیا بھر میں اب تو نہ جانے کتنی اقسام کی غذائیں بھی اس سے تیار کی جاتی ہیں اور اُن کا نام بھی آم کی قسموں سے منسوب ہے۔ آم کی فصل کی پیداوار کو کسان اپنی اولین پسند قرار دیتے ہیں۔ خالقِ کائنات سے دُعا گو ہوں کہ ہر ایک کا منہ اس کی شیرینی اور ذائقے سے لذت اندوز ہو۔

■

Naseem Sayeed
M M Rabbani High School
Kampti (Maharashtra)

مضمون

بہترین رفیق

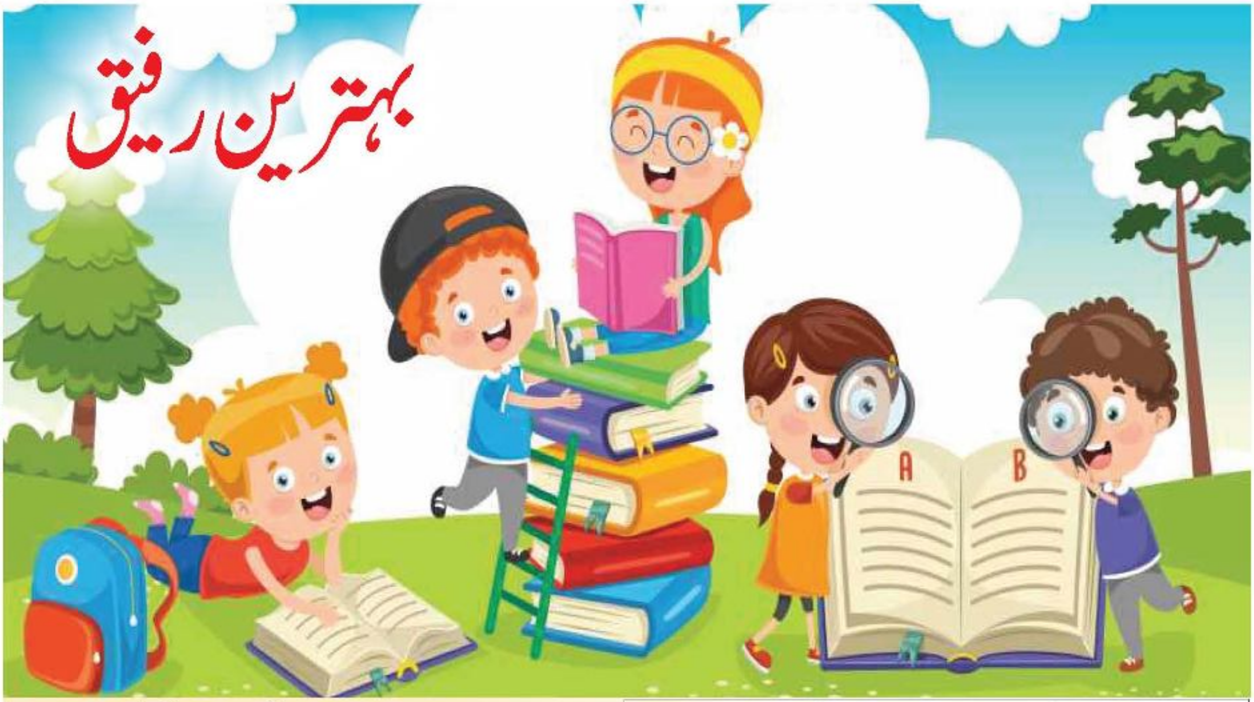

روبینہ

روبینہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد کے شعبۂ تعلیم و تربیت میں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے گذشتہ 13 برسوں سے تدریسی خدمات انجام دے رہی ہیں۔ انھوں نے پولیٹکل سائنس اور اردو میں ایم اے اور ایجوکیشن میں ایم ایڈ اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ تعلیم و تدریس ان کا خصوصی موضوع ہے۔ بچوں کے تعلیمی مسائل پر مختلف اخبارات میں مضامین لکھتی رہی ہیں۔ تعلیمی تصورات اور نفسیات کے حوالے سے رسائل و جرائد میں بھی ان کے مقالے شائع ہوتے رہے ہیں۔

جب ایک بچہ اس دنیائے آب وگل میں آنکھ کھولتا ہے تو اسکے پاس پہلے سے کئی رشتے موجود ہوتے ہیں جیسے ماں، باپ، بھائی، بہن، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اپنی زندگی میں وہ جو رشتہ بناتا ہے، وہ ہے 'دوستی کا رشتہ'۔ ہماری زندگی میں ہر رشتے کی اپنی اہمیت ہے۔ دوستی کا رشتہ بھی اہم ہے۔ یہ رشتہ بہت انمول ہوتا ہے۔ آج اس افراتفری کے ماحول میں انسان انسان کو دھوکا/فریب دے رہا ہے خونی رشتے بھی ساتھ دینے سے قاصر ہیں۔ مگر دوست ایسا ہوتا ہے جو آپ کو کبھی دھوکا نہیں دیتا اور انسان کا وہ بہترین دوست، بہترین ساتھی اور بہترین رفیق کتاب ہے جس سے بالواسطہ یا بلاواسطہ ہمارا عمر بھر کا تعلق ہوتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ وقت کبھی لوٹ کر نہیں آتا وقت اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اس کو ضائع نہیں کرنا چاہیے کتب بینی سے نہ صرف معلومات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ روح کو بھی تقویت ملتی ہے۔ کتاب وہ دوست ہے جو وقت کو ضائع ہونے سے بچاتی ہے اور انسانی ضمیر کو روشن کرتی

ہے۔ایک مشعل کی طرح روشنی فراہم کرتی ہے علم و آگاہی کا ایک بہترین ذریعہ و زینہ ہے۔ذہنی اوراخلاقی تربیت کا ایک اہم وسیلہ ہے۔اور اتنا ہی نہیں، انسان کی تنہائی کی ساتھی ہے انسان کی غم خوار ہے زندگی کی تلخیوں، الجھنوں کو سلجھانے میں مددگار ہے، بہترین ہمسفر، مایوس لمحات میں روشنی کی کرن پیدا کرنے والی رفیق ہے۔کتاب ایک بہترین اورشفیق دوست اور ایک معتبر رہنما ہے۔ یہ آپ کے احساسات کو سنوارتی ،فکر ونظر کو نکھارتی اورذوق شگفتہ کو فروغ دیتی ہے۔کتب بینی کے نتیجے میں انسان اپنے مقصد حیات کو متعین کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے جو ایک بامقصد زندگی گزارنے کے لیے ازحد ضروری ہے۔بقول شوکت محمود شوکت:

رشکِ قمر کتاب ہے، رشکِ عدن کتاب
ظلمت کدہ ہے دہر، تو مثلِ کرن کتاب
محفل جمائے رکھتی ہے گویا یہ میرے ساتھ
تنہائیوں میں، رہتی ہے محوِ سخن کتاب

کتاب آپ سے بیزار نہیں ہوتی اور نہ ہی کبھی آپ سے اکتاتی ہے کتاب سراپا اخلاق ہے، یہ نہ کبھی جھوٹ بولتی ہے نہ کذب بیانی کرتی ہے، آپ اس سے جس قدر چاہیں فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔کتاب بینی سے آپ کی زبانی صلاحیتوں میں اضافہ ہوگا آپ کی گفتگو میں تاثیر پیدا ہوگی۔مشہور قول ہے' زبان شیریں تو ملک گیری' یعنی کتاب بینی کے ذریعہ آپ اپنی میٹھی زبان اور موثر گفتگو کو فروغ دے کر حکمرانوں کے مشیر بھی بن سکتے ہیں اور تو اور آپ لوگوں کے دلوں پر بھی حکمرانی کر سکتے ہیں۔ابراہیم لنکن کا کہنا ہے کہ کتابوں کا مطالعہ ذہن کو روشنی عطا کرتا ہے۔والٹیئر کا قول ہے کہ وحشی اقوام کے علاوہ تمام دنیا پر کتابیں حکمرانی کرتی ہیں۔

کتاب ہمیں دنیا کوایک نئے زاویے سے دیکھنا سکھا تی ہے۔ کتابیں مذہبی، تمدنی، تاریخی، نفسیاتی، سائنسی اور عام معلوماتی موضوعات پر لکھی ہوتی ہیں۔ ان سے ہمیں مختلف موضوعات پر معلومات حاصل ہوتی ہیں دنیا کی ترقی نے ہمیں ہر قسم کی کتابیں مہیا کر دی ہیں۔ کتابیں انسان کو ساحل ہدایت تک پہنچاتی ہیں۔

کتاب سے دوستی کی اہمیت عصر حاضر میں اور بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ کتاب انسان میں عدم برداشت، تشدد شدت پسندی اور انتہاپسندی کو بڑھنے سے روکنے میں معاون ہوتی ہے کیونکہ کتابوں سے قربت اور الفاظ کے ساتھ انس خود بخود انسان کے مزاج میں ٹھہراؤ، سکون اور برداشت پیدا کرتا ہے۔انسان اپنے جذبات کو کنٹرول کرنا سیکھتا ہے اورانسان میں بردباری کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔

کتاب ہمیں دنیا کوایک نئے زاویے سے دیکھنا سکھاتی ہے۔کتابیں مذہبی،تمدنی، تاریخی، نفسیاتی، سائنسی اور عام معلوماتی موضوعات پر لکھی ہوتی ہیں۔ان سے ہمیں مختلف موضوعات پر معلومات حاصل ہوتی ہیں دنیا کی ترقی نے ہمیں ہر قسم کی کتابیں مہیا کر دی ہیں۔کتابیں انسان کو ساحل ہدایت تک پہنچاتی ہیں۔کتابیں انسان کو گمراہی کے بھنور میں ڈبوتی بھی ہیں کتابیں سمندر کے مانند ہیں۔ضرورت اور ذوق کے مطابق کتابوں کا انتخاب کرنا چاہیے۔کتابیں انتخاب کرتے وقت احتیاط کرنی چاہیے کہ ان کا موضوع تعمیری رجحانات کا

حامل ہو۔مخرب اخلاق اورفحش قسم کی کتابیں ہماری بدترین دشمن تو بن سکتی ہیں رفیق نہیں۔ کتابیں کردار اور اخلاق کی اصلاح میں اہم حصہ لیتی ہیں اورعلمی نقطۂ نظر پیدا کرتی ہیں۔لہٰذامطالعہ کے لیے صحیح کتابوں کا انتخاب ضروری ہے اوران ہی کتابوں کا انتخاب کریں جن سے آپ کچھ سیکھیں، جن سے آپ کی معلومات میں اضافہ ہو، جن سے آپ کی رہنمائی ہو، نصابی کتابوں سے بھی بچے بہت کچھ سیکھتے ہیں معاشرتی ترقی میں نصابی کتابوں کی اہمیت سے انکار نہیں۔اچھی کتابیں ساری زندگی انسان کی اخلاقیات کو سنوارتی ہیں۔ پڑھنے کے لیےسب سے اچھی کتاب ’قرآن مجید‘ ہے جس کے نزول سے امت مسلمہ پرخیر و برکت کے دروازے کھل گئے۔ بچوں کو ابتدائی عمر سے ہی کتابوں سے جوڑ دینا چاہیے۔ والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کو سچے واقعات پرمشتمل کتب پڑھنے کے لیے دیں۔اور چاہیے کہ بچوں کو دینی واسلامی ،اخلاقی وجسمانی اورمعاشرتی تربیت فراہم کرنے والی کتب پڑھنے کے لیے مہیا کریں۔تاکہ ہمارے بچے معاشرے کےمعززفرد کہلائیں اوردنیاوآخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں کوسمیٹ سکیں۔ ساتھ ہی ساتھ جدیدسائنسی تحقیقات پرمبنی کتب جو دورحاضر کی تبدیلیوں سے آشنا کراتی ہیں مطالعہ کے لیے فراہم کریں۔

جہاں بچے قوم وملک کا مستقبل ہیں وہیں کتابیں قومی وملکی ترقی کی ضامن ہیں چنانچہ ہم بچوں کی کتابوں سے دوستی کروا کرنہ صرف انہیں زندگی میں ایک بہترین دوست یارفیق عطا کریں گے بلکہ ملک وقوم کی ترقی میں مددومعاون سرمایہ تیار کریں گے۔کتابیں تابناک مستقبل کی ضمانت ہیں آج جوبھی قومیں ترقی کی راہ پرگامزن ہیں اُن کی کامیابی کا راز کتاب دوستی ہی ہے۔زندگی کے ہرشعبے میں کامیابی کا رازاس میں موجود ہے۔ کتابیں آپ کو ماضی سے مستقبل کی سیر کراسکتی ہیں گھر بیٹھے مختلف مقامات وہاں کی تہذیب وتمدن اور حالات زندگی وغیرہ سے واقف کراتی ہیں۔مگر آج انفارمیشن ٹیکنالوجی کی ارتقا اور سوشل میڈیا کی بدولت انسانوں نے کتابوں سے استفادہ کرنا چھوڑ دیا ہے جبکہ کتاب کی اپنی دائمی اہمیت اور افادیت اپنی جگہ برقرار ہے۔آج کتب بینی کا ذوق وشوق کم ہوتا چلا جارہا ہے جو کہ کسی بھی فرد و معاشرے کے لیے نقصان دہ ہے فرد اپنی ذہنی وفکری صلاحیتوں سے مفلوج ہوجاتا ہے کتب بینی سے جہان تازہ اور افکار تازہ کی دولت میسر آتی ہے۔مشہورفلسفی سقراط کا قول ہے کہ ’’وہ گھر جس میں کتابیں نہ ہوں وہ اس جسم کے مانند ہے جس میں روح نہ ہو۔‘‘

زندگی میں آگے بڑھنے کے لیےضروری ہے کہ بچوں کو ابتدا سے ہی بہترین دوست یعنی کتاب سے روشناس کروایا جائے اور کتاب سے دوستی پکی کی جائے کیونکہ کتب بینی سے انسان اپنے اخلاق اور معیار زندگی کو بلند کرسکتا ہے۔کتابوں کے ساتھ دوستی کو فروغ دینے کے لیے اقوام متحدہ نے 23اپریل کو’عالمی یوم کتب‘ قرار دیا ہے اور 2015سے ہر سال یہ دن منایا جارہا ہے۔کتاب دوستی کی اہمیت وعظمت کوتسلیم کرتے ہوئے آئیے ہم عزم کریں کہ ہم کتابوں سے دوستی ورفاقت اختیار کریں گے۔

سرورعلم ہے کیف شراب سے بہتر
کوئی رفیق نہیں ہے کتاب سے بہتر

■

Dr. Rubeena
Asst. Professor
Dept. of Education and Training
Maulana Azad National Urdu University
Hyderabad - 500032
Mob.: 9492530291

چودھری امتیاز احمد

بچوں کی تربیت میں والدین کا کردار

بچوں کی پرورش کے علاوہ بچوں کی تعلیم وتربیت میں بھی والدین اہم رول ادا کرتے ہیں۔ بچے وہی کرتے ہیں جو والدین کرتے ہیں یا جس معاشرے یاماحول میں بچہ رہتا ہے اس ماحول و معاشرے میں ہونے والی باتوں کو اپنانے لگتا ہے۔کیا غلط ہورہاہے کیا صحیح؟ اس کے بارے بچوں کو خبر نہیں ہوتی۔اچھے اور برے کی تمیز کرنا ایک کمسن بچے کے لیے مشکل ہوتا ہے، اس کے لیے والدین کو محنت کرنا پڑتی ہے۔ بچوں کو غلط کاموں سے اور غلط باتوں سے دور رکھنا۔ والدین کی ذمہ داری ہے بچوں کو پیار وحکمت سے سمجھایا جائے۔انھیں راہ راست پر لانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے، ہر بچے کی صحیح تعلیم وتربیت میں والدین کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ اکثر بچوں کے والدین ان پڑھ ہوتے ہیں۔اب ایسی صورت میں ان کو چاہیے کہ وہ بچے کو برائیوں سے روکیں، اچھائیاں اور نیکیاں کرنے کے لیے کہیں اور بچے کو روزانہ اپنے پاس بٹھا کر کچھ پڑھنے لکھنے پر لگائیں، بچوں کو اہل علم حضرات کے پاس بھیجا جائے، علمی محفلوں میں بھیجا جائے مدارس میں بھیجا جائے تا کہ بچہ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی حاصل کر کے اپنی دنیا وآخرت کو بہتر بنا سکے بچے کو زیادہ دن دوسروں کے گھروں میں جانے کی اجازت نہ دی جائے بچے کو اپنی نگرانی میں رکھ کر ہی اس کے مستقبل کو تابناک بنانے کی کوشش کی جائے۔

بنیادی تعلیم دینے کے لیے بچوں سے زیادہ والدین کو محنت کرنی پڑتی ہے۔اگر والدین پڑے لکھے ہیں پھر تو بچے کو گھر میں ہی بنیادی تعلیم سے آراستہ کیا جا سکتا ہے اگر والدین پڑھے لکھے نہیں ہیں تو پھر کسی استاد کو اپنے محلے میں تعینات کیا جائے جو بچوں کو علم کے نور سے منور کرے اگر آپ استاد تعینات کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے تو پھر بچے کو جو کام اسکول سے دیا جاتا ہے وہ پاس بٹھا کر کرنے کے لیے کہا جائے۔اگر بچہ آپ کے سامنے سارا وقت ضائع کرتا ہے کتابوں کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں جاتا تو یہ آپ کی کمزوری ہے کہ بچوں کی تربیت صحیح طرح سے نہیں کی جا رہی ہے چھوٹے بچوں کو پیار وحکمت سے سمجھایا جائے تا کہ وہ آپ کی کہی ہر بات مانیں آپ کا بچہ کل کا عالم ہوگا یا جاہل؟ یہ سب

آپ پر منحصر ہے۔ آپ بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کے لیے انھیں زیادہ سے زیادہ وقت دیں ان کو اچھی اچھی باتیں بتائیں روزانہ کچھ نہ کچھ نیا سکھانے کی کوشش کریں چھوٹے بڑوں کے ساتھ کیسے پیش آنا چاہیے اساتذہ کی عظمت کے بارے بتایا جائے سلام کا طریقہ بتایا جائے غرض یہ کہ ہر موڑ پر جہاں جہاں آپ کو اپنے بچوں میں کمزوری نظر آئے وہاں آپ اپنی اولاد کی اصلاح کریں۔ سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے والدین کو چاہیے کہ وہ بھی اپنے بچوں کے لیے اتنی ہی محنت کریں جتنی محنت ایک پرائیویٹ اسکول میں پڑھنے والے بچوں کے والدین کرتے ہیں۔ اگر آپ صرف بچے کو مہینے میں چار مرتبہ اسکول بھیج دیتے ہیں ڈبنا بیگ وردی اور کتابوں کے تو کیا ایسے تعلیم ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ آپ اگر اپنے بچوں کو صحیح تعلیم دینا چاہتے ہیں تو آپ کو ہر دن اپنے بچوں کی کاپیاں چیک کرنی ہوں گی، بچوں کو اسکول سے کیا کام ملا وہ بچوں کو پاس بٹھا کر کرایا جائے، بچے کو یاد بھی کرایا جائے کم از کم مہینے میں ایک مرتبہ اسکول کا چکر لگایا جائے اور اساتذہ سے بچوں کی تعلیم کے متعلق بات چیت کی جائے۔

آپ ذرا سوچیں کہ پرائیویٹ اسکول میں جو بچے پڑھتے ہیں ان کے والدین ان کو روزانہ اسکول میں لے کر بھی جاتے ہیں واپس بھی لاتے ہیں، ان کی ماہانہ فیس بھی ادا کرتے ہیں ان کو لنچ بھی تیار کر کے دیتے ہیں ان کی کاپیاں کتابیں قلم غرض یہ کہ بچے کی ہر چیز چیک کر کے بیگ میں سلیقے سے رکھی جاتی ہے بچے جب گھر واپس آتے ہیں تو بھی والدین بچوں کی ڈائری چیک کرتے ہیں کہ آج بچے کو کیا کام ملا ہے اگر بچے کو کسی چیز کی چیز ضرورت ہو تو وہ بھی اساتذہ ڈائری میں لکھ دیتے ہیں۔ اگر بچہ کام نہیں کرتا تو بھی اس ڈائری میں نوٹ لکھا ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس سرکاری اسکول میں پڑھنے والے بچوں کے اکثر والدین سال بھر بچوں کی کاپیاں چیک نہیں کرتے۔ بچوں کے کلاس ٹسٹ پر دستخط نہیں کیا جاتا۔ یہ باتیں سوچنے کی ہیں کہ آخر کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے بچے صحیح طریقے سے تعلیم حاصل نہیں کر پاتے۔ اگر آپ اپنے بچوں کو صحیح تعلیم دے کر ان کے مستقبل کو روشن کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو چاہیے کہ ان کی تعلیم و تربیت کے لیے وقت نکالیں۔ جہاں بچے غلط راستہ اپنائیں وہاں انھیں پیار و حکمت سے سمجھا کر راہ راست پر لایا جائے۔ آپ اپنے بچوں پر ذرا محنت کر کے تو دیکھیں، یہی سرکاری اسکول والا بچہ اگر روزانہ وقت پر اسکول بھی آئے، کاپیاں کتابیں بھی پاس ہوں اور ان کی تعلیم میں والدین بھرپور ساتھ دیں تو کوئی دو رائے نہیں کہ آپ کے بچے کل اچھے عہدوں پر فائز ہوں گے۔

■

Chodhry Imtiyaz Ahmad
Research Scholar, Dept. of Urdu
Allahabad University
Allahabad- 211002 (UP)
Mob.: 7051269238

مریم شمسی

تلسی

نباتات (پیڑ پودے) جمادات (بے جان چیزیں، دھات وغیرہ) اور حیوانات سے مرصع یہ کائنات خالق کائنات نے اشرف المخلوقات کو فیض پہنچانے کے لیے تخلیق کی ہے۔ انسان کی پیدائش سے بہت پہلے اس پوری کائنات کی تخلیق کر دی گئی تھی، نہ صرف تخلیق بلکہ اسے بہت خوبصورت اور منظّم طریقے سے سجایا سنوارا بھی اور ہر وہ شے اس میں پیدا کی جس کی ضرورت انسانی زندگی کے لیے بہت اہم تھی۔ خالق کائنات نے ایک ذرہ بھی اس کائنات میں بے کار نہیں بنایا۔ یہ اس کا بڑا کرم اور انعام واحسان ہے۔

کہکشاؤں سے سجی اس کائنات کو بنا کر اس نے انسان کے لیے تمام چیزیں مسخر کر دیں۔

ہمارے آس پاس ایسی لاکھوں کروڑوں چیزیں ہیں جو ہماری زندگی کے لیے بہت ضروری ہیں اور ان کے بغیر زندگی کا تصور بھی محال ہے۔ خوبصورت جھرنے، زمین کو جمائے ہوئے پہاڑ، رم جھم کرتی بارشیں، زمین سے پانی اٹھاتے بادل، مختلف قسم کے جانور، لاکھوں قسم کے پھول، پیڑ پودے، جڑی بوٹیاں وغیرہ۔ بے شک وہ عظیم خالق ہے جس نے ہر جگہ کی آب وہوا کے حساب سے چیزیں پیدا کیں اور پھر انسان کو سب سے بڑا تحفہ عقل سلیم کی شکل میں دیا۔

شعور نام کی اس نعمت عظمیٰ نے اسے آج چاند سے بھی آگے پہنچا دیا۔ اسی شعور کے سبب زمین پر برہنہ اتارا جانے والا انسان آج سیاروں پر کمندیں ڈالے بیٹھا ہے۔ سمندروں کو اختیار میں کرنے کا ہنر سیکھ گیا ہے اور ہر اس چیز کو کھوجتا چلا جا رہا ہے جس سے وہ ابھی لاعلم ہے۔ بے شک ہم اپنے رب کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔ ترقی کی اس راہ پر اس کی رہنمائی کرنے والی دو چیزیں ہمیشہ اس کی ساتھی رہی ہیں۔ پہلی قرآن کریم اور دوسری حدیث۔

ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ ''اللہ نے ہر چیز کا جوڑ اور ہر بیماری کا علاج اتارا ہے۔'' اس حدیث کی ریسرچ نے آج انسان کو بڑی سے بڑی لاعلاج بیماریوں کا علاج تلاش کرنے میں مدد دی ہے۔ انھیں میں سے ایک ننھا سا نازک سا پودا تلسی کا پودا ہے جو بہت سی بیماریوں کا علاج کر سکتا ہے۔

جی ہاں ہم اسی تلسی کی بات کر رہے ہیں جو کسی مسلم گھر میں تو شاید ہی نظر آئے لیکن بھارت کے غیر مسلم گھرانوں میں

بڑی اہمیت رکھتا ہے جس کی پوجا تقریباً ہر غیر مسلم گھرانوں میں ہر صبح بڑے ادب و احترام سے کی جاتی ہے۔ کیا ہم جانتے ہیں کہ تلسی دراصل جنت کا ایک پودا ہے جسے قرآن نے ریحان کے نام سے متعارف کرایا ہے۔ ریحان یعنی تلسی...

ہندوستان میں چار قسم کی تلسی پائی جاتی ہے۔(1) ہری تلسی (2) پرپل تلسی (3) جنگلی تلسی (4) امرتا تلسی، بوٹینکل نام Ocimum basilicum اور دوسرا نام Ocimum sanctum عام بول چال میں تلسی، عربی میں ریحان اور نیاز بو کو کہتے ہیں۔ اصل میں ریحان کا مطلب ہے میٹھی خوشبو والا پودا، انگلش میں Sweet basil اور مراٹھی میں تخمار یہ کہتے ہیں۔ اس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے۔ ہر مذہب میں اسے مقدس پودا مانا جاتا ہے جو خدا کا بڑا عطیہ۔ اسلام میں بیماریوں کے علاج کے دو طریقے بتائے گئے ہیں۔ ایک روحانی اور دوسرا ادویات کے ذریعے، پیغمبر اسلامؐ نے بیماریوں سے شفا کے لیے کچھ جڑی بوٹیوں کو تجویز کیا ہے اور ان کے بتائے گئے ان طریقوں کو آپؐ کی ازواج مطہرات اور صحابہ کرامؓ نے محفوظ کر کے ہم تک پہنچانے کا کام کیا ہے۔ سورۂ رحمٰن میں ارشاد ربانی ہے:والحب ذو العصف و الریحان۔

سورۂ رحمان میں ہی آگے ارشاد فرمایا کہ ''اور تم میری کون کون سی نعمتوں کو ٹھکراؤ گے۔ اللہ بڑا مہربان ہے۔ اس نے بے شمار نعمتیں انسان کے لیے اتاری ہیں۔ ہمیں اس کا شکر ادا کرتے ہوئے ان سے فیض یاب ہونا چاہیے۔

■

Maryam Shamsi
Anjuman Street
Rampur (UP)
Mob.: 8791210644

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا / چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر................. بتاریخ.................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِ تعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: SYNB0009009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159, E-mail.:sales@ncpul.in

دستخط

نظم

یہ بھی تو مجھ جیسا ہے

غضنفر

غضنفر اردو کے مشہور فکشن نگار،شاعر اور ناقد ہیں۔انھوں نے بڑوں کے ساتھ ساتھ بچوں کے لیے بھی بہت کچھ لکھا ہے۔اپنے ادبی سفر کی شروعات ادب اطفال سے کی تھی۔ان کی پہلی تخلیق ’کوئلے سے ہیرا‘بچوں کے لیے لکھا گیا ایک ڈراما تھا جسے راجیہ بال کلیان پریشد پٹنہ بہار نے شائع کیا۔بچوں کے لیے لکھی گئی ان کی دوسری مقبول کتاب ’سخن غنچہ‘ ہے جس میں نظمیں اور کہانیاں شامل ہیں۔’امنگ‘،’نور‘،’بچوں کی دنیا‘ وغیرہ رسالوں میں ان کی تخلیقات شائع ہوتی رہتی ہیں۔غضنفر اپنی نظموں میں بچوں کی ذہنی سطح ،نفسیات،دلچسپی اور ان کی زبان سبھی کا خیال رکھتے ہیں۔

ابا اس کو مت مارو
امّی اس کو مت ڈانٹو
مانا اس سے ٹوٹ گیا
میرا باجا پھوٹ گیا
میرے ہاتھ سے بھی تو یہ
کھیل کھلونا گرتا ہے
مجھ پر لیکن یوں تھپّڑ
ابا کا کب پڑتا ہے
ایک کھلونا کل ہی تو
میرے ہاتھ سے ٹوٹا تھا
امّی جی تم نے مجھ کو
کیا اس بات پہ ڈانٹا تھا

ابا تم کو غصّہ کیوں
جھگرو ہی پر آتا ہے
ایک ذرا غلطی پر تھپّڑ
اس کے کیوں پڑ جاتا ہے
امّی ابا دیکھو تو
یہ بھی تو مجھ جیسا ہے
بھولا بھالا ننھا منّا
چھوٹا سا اک بچّہ ہے

■

Ghazanfar
Iqra Colony, Dodhpur
Sir Syed Nagar
Aligarh- 202002 (UP)

اسکول چلیں

ابوالخیر نشتر

ابوالخیر نشتر کا تعلق بتیا مغربی چمپارن سے ہے۔درس وتدریس سے وابستہ ہیں۔شاعری ان کا شغل ہے۔الفاظ کی خوشبو،لفظ لفظ آئینہ،بولتے الفاظ ان کے شعری مجموعے ہیں۔رسائل ومجلات میں ادبی مضامین بھی لکھتے ہیں۔ان کا مجموعہ'قدم قدم منزل' کے عنوان سے زیرترتیب ہے۔بچوں کے لیے بھی لکھتے رہے ہیں اور مختلف رسالوں میں بچوں کے لیے ان کی تخلیقات شائع ہوتی رہی ہیں۔

آؤ ہم اسکول چلیں
پڑھ لکھ کر انسان بنیں
جو بھی ان پڑھ رہ جائے گا
اندھیارا ہی پھیلائے گا
عمر بڑھے گی پچھتائے گا
قدم قدم ہر آن بڑھیں
آؤ ہم اسکول چلیں
علم و ہنر یہ راز بتائے
جینے کے آداب سکھائے
نیک عمل انسان بنائے
چاند ستاروں کو چھو لیں
آؤ ہم اسکول چلیں
پنہاں اس میں قوم کی عزت
ماں کی چاہت باپ کی عظمت
گھر آنگن بن جائیں جنت
روشن اپنا نام کریں
آؤ ہم اسکول چلیں
یہ دھرتی آکاش گگن
پھول کی خوشبو مست پون
پیار لٹائیں گنگ و جمن
ان کے اشاروں کو سمجھیں
آؤ ہم اسکول چلیں
گاؤں، نگر کو یہ سمجھائیں
اونچ نیچ کا فرق مٹائیں
گھر گھر کو اسکول بنائیں
سب کو پڑھائیں اور پڑھیں
آؤ ہم اسکول چلیں

■

Abul Khair Nashtar
Jangi Masjid
Bettiah - 845438
West Champaran(Bihar)
Mob.: 9931452289

ویر بچے

التفات امجدی

التفات امجدی کا تعلق سیوان بہار سے ہے۔ انھوں نے ایم اے اردو اور بی یو ایم ایس کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ فی الحال محکمہ صحت بہار سرکار سے بہ حیثیت میڈیکل آفیسر وابستہ ہیں۔ ادب اطفال اردو میں ان کی اپنی ایک پہچان ہے۔ انھیں 2014 میں ساہتیہ اکادمی کا یوا پرسکار بھی مل چکا ہے۔ رباعیات ان کا خاص میدان ہے۔ چکنے پات، چار محراب، ٹافیاں ان کی رباعیات کے مجموعے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی ان کی کئی کتابیں مثلاً آئس کریم، سرودِ نیاز، رباعیات قتیل دانا پوری، مقالات انو رزیر طبع ہیں۔

چلا رہے ہیں جو تیر بچے
وہ بننے والے ہیں ویر بچّے
کبیر ہیں جو شرارتوں میں
وہ علم میں ہیں صغیر بچّے
مثالی ہوتی ہے جن کی سیرت
وہ ہوتے ہیں بے نظیر بچّے
پسند جن کو ہے صحبتِ بد
انھیں کہو بد خمیر بچّے
کوئی مثلث نہیں بنے ہیں
ابھی ہیں چھوٹی لکیر بچّے
سماج کے سر کا درد ہوں گے
جوانی میں بے ضمیر بچّے
بچاتے ہیں لاج علم و فن کی
غریب گھر کے حقیر بچّے
دماغ رہتا ہے ان کا روشن
جو روز پیتے ہیں شہر بچّے
کتاب پڑھنے میں رہتے ہیں گم
جو علم کے ہیں اسیر بچّے
کماتے ہیں پیسے گیت گا کر
ٹرین و بس میں فقیر بچّے
پڑھا رہی ہے جنھیں غریبی
وہ کل بنیں گے امیر بچّے
جنھیں نہیں کچھ بھی فکرِ عقبیٰ
وہی تو ہیں بے ضمیر بچّے
گپھاؤں کا شہر دیکھیں گے وہ
گئے ہیں جو راجگیر بچّے
جنھیں ملی علم و فن کی دولت
فقیر کے ہیں امیر بچّے
تم التفات ان کے شر سے بچنا
یہ شہر کے ہیں شریر بچّے

■

Dr. Iltefat Amjadi
Khanquah Amjadia
Station Road
Siwan - 841226 (Bihar)
Mob.: 9934497795

نظم

پرندے

رونق خلیقی

ایسا لگے ہے کہ یہ پرندے پر کو لگا کے آتے ہیں
پیارے بلبل شاخِ شجر پر گیت وفا کے گاتے ہیں

رِم جھم رِم جھم پانی برسے کوئل کوکے کوہو کو
سارے پنچھی اپنے بن میں دانا دنکا کھاتے ہیں

دیکھو پپیہے پیہو پیہو کرنے لگے ہیں شوخی میں
پاس میں ان کے ہم جائیں تو وہ پھر سے اڑ جاتے ہیں

جال نہ پھینکو اے صیادو! رہنے دو آزاد انھیں
قید میں کب خوش رہتے ہیں یہ جیتے جی مر جاتے ہیں

نظریں نیچی رکھنا سنت پیارے بچوں یاد رکھو
"اوپر دیکھ کے چلنے والے اکثر ٹھوکر کھاتے ہیں"

■

Rounaque Khaliqui
C/o Jalaluddin Bharnewale
Behind Unique Medical Store
Near Do Bhai Bidi Fectory
Burhanpur - 450331(M.P)
Mob.: 9827012110

گلہری

عبدالناصر

بڑی شوخ و چنچل، مگر بے زبان
بناتی ہے پیڑوں پہ اپنا مکان
یہ چڑیا نہیں، پھر بھی یہ کم نہیں
جو پھرتی دکھاتی پھرے شادمان
ذرا سی ہیں ٹانگیں اور بالوں کی دُم
بدن پر ہے دھاری کا چھلّہ نشان
ہر اک قسم کے پھل سے واقف ہے یہ
مگر دیتی ہے مونگ پھلّی پہ جان
کسی کو یہ آزار دیتی نہیں
فقط اپنے مطلب سے اس کا جہان
ابھی ہے یہاں تو ابھی ہے وہاں
گئی دوڑ کے پیڑ کے درمیان
پھنگوں پہ پہنچی، وہ پھل تک گئی
اسے کھا کے لوٹی، ہوئی تازہ جان
ہے آواز اس کی بڑی ہی کرخت
لگاتار بولے تو پھٹتے ہیں کان
مگر چپ رہے گر تو کامل سکوت
نہیں جانتا کوئی اس کا مکان

■

Dr. Abdun Nasir
C-632, Pocket-II
Janta DDA Flats, Jasola Vihar
New Delhi - 110025

روزے کے فائدے

محمد رفیع انصاری

محمد رفیع انصاری، رئیس ہائی اسکول وجونئر کالج، بھیونڈی ضلع تھانے مہاراشٹر کے ریٹائرڈ استاد ہیں۔ طنزیہ مزاحیہ مضامین لکھتے رہے ہیں۔ خمیازہ، رفع دفع، غریب خانہ سجا رہا ہوں کے عنوان سے ان کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ بچوں کی نظموں کے دو مجموعے زمین کے تارے، جگ جگ جیو کے عنوان سے منظر عام پر آچکے ہیں۔ ان کے منظومات کا ایک مجموعہ 'میرا پیام اور ہے' کے عنوان سے زیر ترتیب ہے۔

بچّو! سنو دھیان سے روزے کے فائدے
دیکھو تو اس میں کتنے ہیں صحت کے قاعدے

روزہ ہمارے دین کا ہے تیسرا ستون
ملتا ہے اس سے روح کو آرام اور سکون

یہ جسم اور جان میں لاتا ہے بہتری
حاصل ہے جگ میں اِس لیے رمضاں کو برتری

حکمت سے ہے بھرا ہوا قدرت کا انتظام
کرتا ہے یہ درست بہت ہضم کا نظام

یہ بھوک اور پیاس سے کرتا ہے با خبر
بے شک دلوں پہ ہوتا ہے اس بات کا اثر

روزے کا ہے پیام کہ پرہیز ہے علاج
یہ ٹھیک ٹھاک رکھتا ہے انسان کا مزاج

جو ایک ماہ اس کی مشقت اُٹھاتے ہیں
بدلے میں ایک سال وہ انعام پاتے ہیں

اس نعمتِ عظیم پہ شکرِ خدا کرو
بہتر یہی ہے آپ بھی روزہ رکھا کرو

■

Mohd Rafi Ansari
Almadani, 734 Busar Mohalla
Bhiwandi - 421308
Distt.: Thane (Maharashtra)

نظم

سید بصیر الحسن وفا نقوی

علم کی عظمت

ہے علم جس کا ساتھی دنیا میں معتبر ہے
آسان اس کی منزل پھولوں سی رہ گزر ہے

دنیا میں کوئی اس کو ہرگز جھکا نہ پایا
جو علم کا ہے جویا اک انقلاب لایا
دولت ہے علم جس کی وہ شخص با ہنر ہے

ہے علم جس کا ساتھی دنیا میں معتبر ہے
آسان اس کی منزل پھولوں سی رہ گزر ہے

دنیا کو خوبصورت کرتا ہے علم ہر سو
سر چڑھ کے بولتا ہے ہر وقت اس کا جادو
عالم کے دم سے عالَم خوشیوں کا ایک گھر ہے

ہے علم جس کا ساتھی دنیا میں معتبر ہے
آسان اس کی منزل پھولوں سی رہ گزر ہے

عالم اگر ہے انساں خطروں سے کب ہے خطرہ
ہے علم کی نظر میں خورشید مثلِ ذرہ
عالم ہی جانتا ہے کیا چیز بے ضرر ہے

ہے علم جس کا ساتھی دنیا میں معتبر ہے
آسان اس کی منزل پھولوں سی رہ گزر ہے

ہے علم کی بدولت دنیا کی ہر ترقی
انسان جیسی ہستی اس سے خلا میں پہنچی
قدموں میں ہیں ستارے مٹھی میں اب قمر ہے

ہے علم جس کا ساتھی دنیا میں معتبر ہے
آسان اس کی منزل پھولوں سی رہ گزر ہے

موجوں کا اس نے سینہ چیرا گہر نکالے
تاریک راستوں میں اس نے کیے اجالے
ہے علم کے سبب سے جتنا بھی یہ سفر ہے

ہے علم جس کا ساتھی دنیا میں معتبر ہے
آسان اس کی منزل پھولوں سی رہ گزر ہے

ہم بھی وفا ہوئے ہیں علم و ادب کے خواہاں
جو اس کے پاس ہوگا، ہوگا وہی درخشاں
سایہ ہے جس کا ہر سو یہ علم وہ شجر ہے

ہے علم جس کا ساتھی دنیا میں معتبر ہے
آسان اس کی منزل پھولوں سی رہ گزر ہے

■

Syed Baseerul Hasan Wafa Naqvi
Hilal House, H.No.4/114
Nagla Mallah Civil Lines
Aligarh - 202002 (UP)
Mob.: 9219782014

نظم

بابا جانی

عاتکہ ماہین

یونہی بیت جاتے ہیں
دن مہینے سال آخر
اور کوئی کھڑکی سے
جھانکتا ہی رہتا ہے
تم مگر نہیں آتے
کیا خطا ہوئی مجھ سے
روٹھ کیوں گئے ہو تم
کب تلک امیدوں کی
لو جلا کے رکھوں میں
کیا مری پریشانی
تم کو جینے دیتی ہے؟
تم تو میری راہوں میں
پھول بونے والے تھے
دیکھو میری چادر بھی
چھین لے گیا کوئی
تار تار پیراہن
خواب ریزہ ریزہ ہیں
تم نے تو کہا تھا کہ
سال نو کے تحفے میں
ایک پیاری سی گڑیا
لا کے تم مجھے دو گے
اور میری آنکھوں میں
روشنی جو چمکی تھی
وہ تمھارے چہرے پر
رنگ و نور کے جھونکے
ایک ساتھ لائی تھی
یاد ہے مجھے وہ سب

ایک بار آ جاؤ
اب تمھاری سب باتیں
خامشی سے مانوں گی
اب نہیں ستاؤں گی
ضد نہیں کروں گی میں
تم کہاں گئے بابا
ایک بار آ جاؤ
آ کے دیکھ لو اِس کو
یہ تمھاری شہزادی
سال نو کے موقعے پر
زندگی سے ہاری ہے
تم مگر نہیں آئے!

■

Atika Maheen
Dept. of Urdu A.M.U
Aligarh- 202001 (UP)

نظم

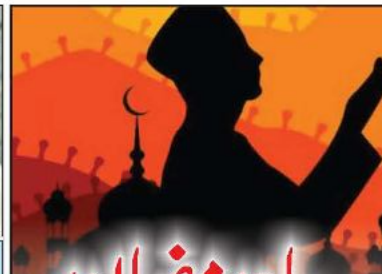

شمشاد احمد رضی

ماہ رمضان

خوب آئے گا اب مزہ بچو
ماہِ رمضان آگیا بچو

روزہ رکھنے کا حوصلہ بچو
تم بھی کرتے رہو سدا بچو

روزہ داروں پہ رحمتِ حق ہو
تم یہ کرتے رہو دعا بچو

ایک سے بڑھ کے ایک نعمت تم
وقتِ افطار دیکھنا بچو

کب خریدیں گی وہ نئے کپڑے
ماں سے ہر صبح روٹھنا بچو

چاند انتیس کا نظر آئے
خوب کرتے رہو دعا بچو

باپ سے ماں سے مانگنا عیدی
عید کے دن نہ بھولنا بچو

■

Shamshad Ahmad Razi
Madanpra, Chiraiyakoat Road
Mau Nath Bhanjan - 275101 (UP)
Mob.: 09235079714

کلیم جاذل

التجا

یا الٰہی ترے ہم خطاکار ہیں
اپنی پلکوں پہ اشکِ ندامت لیے
اور دامن میں تھوڑی عبادت لیے
ہم کھڑے ہیں ترے در پہ غربت لیے
اور تجھ سے ہیں سچی عقیدت لیے
تیری رحمت کے ہم سب طلبگار ہیں
یا الٰہی ترے ہم خطاکار ہیں
کل تلک جو چمن تھا وہ ویران ہے
کس قدر مضطرب آج انسان ہے
آج دہشت میں مولا ہر اک جان ہے
درگزر کرنا یا رب تری شان ہے
بخش دے ہم کو ہم سب گنہگار ہیں
یا الٰہی ترے ہم خطاکار ہیں
ہے مکدر ہمارے نگر کی فضا
چار سو پھیلی ہے جان لیوا وبا
ترے جاذل کی ہے تجھ سے یہ التجا
سارے عالم کو ایسی وبا سے بچا
ہم سزاؤں کے ہی اب تو حقدار ہیں
یا الٰہی ترے ہم خطاکار ہیں

■

Kaleem Jazil
Research Scholar
MANUU, Gachibowli
Hyderabad - (Telangana)

نظم

مولوی محمد عبادہ قاسمی

یوم صحت

تندرستی ہے وہ نعمت لازوال
بے مثال و بے مثال و بے مثال
جسمِ انسانی مکمل اک مشین
کس قدر ہے کار آمد اور حسین
عضو فربہ ہو، یا چاہے ہو مہین
اس پہ خود انسان ہے اپنا امین
کردے ضائع، یا بنائے باکمال
تندرستی ہے وہ نعمت لازوال
آپ کے ہاتھوں میں صحت آپ کی
پاسباں ہوگی یہ نعمت آپ کی
آپ کے ہاتھوں قیادت آپ کی
ہے جو صحت، ہوگی عزت آپ کی
آپ ہو سکتے ہیں خود سے خوش جمال
تندرستی ہے وہ نعمت لازوال
آپ جو کھاتے ہیں، آتے ہیں نظر
آپ ہوں خوراک سے خود باخبر
کیسا کھانا پینا ہے؟ رکھیے نظر
خوش نما ہو زندگانی کا سفر
چاہے کالے بال ہوں، یا گورے گال؟
تندرستی ہے وہ نعمت لازوال
آپ ورزش اور یوگا کیجیے
وقت صحت کے لیے بھی دیجیے
پانی بالکل صاف ستھرا پیجیے
زندگانی کا مزہ پھر لیجیے
یوں اگر رہتے ہیں تو ہیں باکمال
تندرستی ہے وہ نعمت لازوال
یوم صحت پر یہ وعدہ کیجیے
گندگی بالکل نہ رہنے دیجیے
خود بھی آلودہ فضا نہ کیجیے
ہو سکے تو اور کو بھی روکیے
رفتہ رفتہ بہتر ہوجائے گا حال
تندرستی ہے وہ نعمت لازوال

■

Molvi Mohd Obada Qasmi
Puramaruf, Baluwa
Po.: Kurthijafarpur
Distt.: Mau - 275305 (UP)

صبا منیر

نظم

یہ میرا اورنگ آباد...

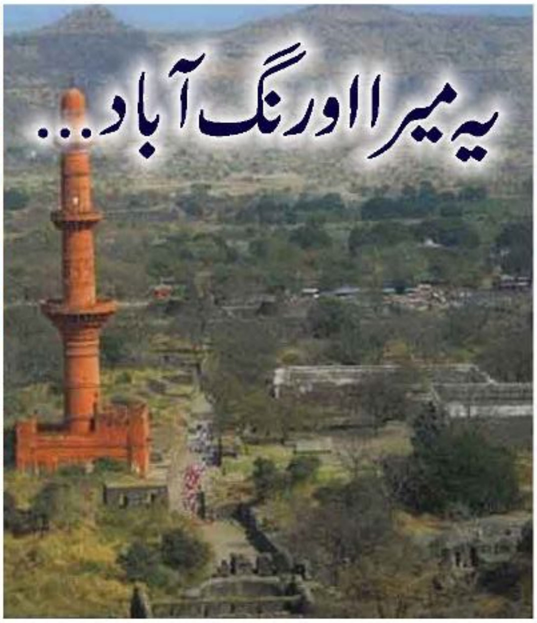

شہر آرا، شہر فتن، ہے میرا یہ اورنگ آباد
قوسِ قزح کے رنگ بکھیرے میرا یہ اورنگ آباد

تاج دکن و نہر عنبر رکھتے ہیں سرشار
مسجد جامع، پن چکی یاں ہیں ایلورہ کے غار
کہتے ہیں خوش آمدید اس شہر کے سارے دار
اورنگ زیب کا مسکن ہے، ہے وہ خلد آباد
خوش رنگ وخوش دِل ہے یہ پیارا شہر اورنگ آباد

شہرت افزا بھی ہے یہ اور ہے یہ وطن کی شان
ہندو مسلم سکھ عیسائی سب کی ہے یہ جان!
سب کو متوجہ کرتا ہے، الیٹا قلیہ نان
جس کے رستوں سے وابستہ ماضی کی ہر یاد
میری پیاری نگری ہے میرا اورنگ آباد

روشن روشن گلیاں اس کی ساز ہیں اور سنگیت
بہتا پانی، اڑتے بادل گائیں سریلے گیت
باغ، بغیچے، گل، غنچے سب لے یہ دل کو جیت
لیکن! اس کی 'سڑکیں' دل کو کرتیں ہیں ناشاد
پھر بھی پیاری نگری ہے یہ شہر اورنگ آباد

گیت محبت کے گائیں اور بانٹیں سب میں خیر
ہندو مسلم سب ہیں بھائی کیوں رکھتے ہو بیر!!!
آؤ سب مل کر کرتے ہیں اس نگری کی سیر
لب پہ سب کے دعا ہے پیارے سدا رہے آباد
باقی تیرا نام رہے تو رہے 'اورنگ آباد'

مشکل الفاظ کے معنی:

شہر فتن: دل کش شہر — شہر آرا: حسین
ناشاد: ناخوش — دار: مراد دروازے

■

Saba Muneer
Maulana Azad College
Rauza Bagh
Aurangbad - 431001 (Maharashtra)

کہانی

سرخ پانی والی جھیل

انیس مرزا

انیس مرزا کا تعلق اتر پردیش کے شہر فرخ آباد سے ہے۔ انھوں نے جہاں درجنوں ناول، فلمی اور جاسوسی کہانیاں لکھی ہیں وہیں بچوں کے لیے کتابیں تحریر کیں اور بہت سی کتابوں کے ترجمے بھی کیے۔ ٹوٹی لکیر، آندھیاں، اَس کا جگنو، گونگی چاہت، سنگ دل، گھروندہ کے علاوہ ان کی کتاب 'چہار خرگوش' (بچوں کے لیے) بہت مشہور ہے۔ وہ گذشتہ 60 برسوں سے دہلی میں مقیم تھے اور ان کی وابستگی مختلف اخبارات اور رسائل سے رہی۔ گذشتہ 28 فروری 2021 کو طویل علالت کے بعد 84 سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا۔ 'بچوں کی دنیا' میں اکثر ان کی کہانیاں شائع ہوتی رہتی تھیں اور بچے انھیں بہت دلچسپی سے پڑھا بھی کرتے تھے۔ یہ کہانی انیس مرزا صاحب نے 23 اکتوبر 2020 کو ارسال کی تھی۔ افسوس کہ یہ کہانی ان کی زندگی میں شائع نہ ہوسکی!

بہت زمانہ گزرا، پہاڑوں کی ایک وادی میں ایک گاؤں آباد تھا جس میں ایک لڑکا آشو رہتا تھا۔ آشو بہت ہی محنتی، جفاکش اور صحت مند تھا۔ اس کے باپ کی موت ہوچکی تھی اور وہ اپنی سوتیلی ماں کے پاس رہتا تھا۔ اس کی چھوٹی بہن بھی تھی جس کا نام سونی تھا۔ سونی کافی خوبصورت تھی اور گھر کا سارا کام اسی کے ذمے تھا، لیکن اُن کی سوتیلی ماں نہایت ظالم اور بے حس عورت تھی۔ وہ کافی چڑچڑی اور بدمزاج تھی۔ اسے اپنے سوا کسی اور میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی تھی۔ اسے دکھیاری سونی میں تو سوائے برائیوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ وہ اس کے ہر کام میں برائی کا کوئی نہ کوئی پہلو نکال لیتی اور اس کے پکائے ہوئے کھانے میں طرح طرح کے نقص تلاش کرتی اور اسے ہر وقت پھوہڑ اور کام چور ثابت کرنے کی کوشش میں رہتی۔

بے چاری سونی اپنا دل مسوس کررہ جاتی وہ کتنی محنت، دھیان اور سلیقے سے کھانا تیار کرتی لیکن سوتیلی ماں تو صرف نقص نکالنا جانتی تھی چاہے کھانا کتنا ہی اچھا اور لذیذ پکا ہو۔ وہ ہر وقت سونی کو ڈانٹتی رہتی، بات بات پر ٹوکتی اور جھڑکیاں دیتی رہتی، غرض بات بات پر ٹوکنا سوتیلی ماں کی فطرت تھی۔

اور کبھی کبھی تو نوبت مار پیٹ کی آجاتی۔ کوئی نہ کوئی نقص نکال کر سوتیلی ماں سونی کی پٹائی کردیا کرتی، وہ سونی کو بری طرح مارتی کہ سونی بے دم ہوجاتی۔ اُدھر آشو یہ سب کچھ دیکھتا اور دل ہی دل میں پیچ وتاب کھا کررہ جاتا۔ وہ اپنی ماں کے سامنے زبان نہیں کھول سکتا تھا لیکن سونی کی بے بسی اور بیچارگی اس سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔

دن اسی طرح گزرتے رہے، دن رت کی اس ڈانٹ اور مار پیٹ کا نتیجہ یہ ہوا کہ سونی کی صحت گرنے لگی اور وہ روز بہ روز کمزور ہوتی چلی گئی۔ آشو بہن کی یہ حالت دیکھتا اور تڑپ کررہ جاتا۔

اب آشو اور سونی جوان ہوگئے تھے۔ لیکن سوتیلی ماں کا ظلم اسی طرح برقرار تھا۔

ایک دن آشو اپنے باہر کے سارے کام نپٹا کر گھر میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا سونی گھر کے ایک کونے میں سکڑی سمٹی اداس بیٹھی ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر آشو تڑپ کر رہ گیا اور وہ جلدی سے بہن کے پاس آ کر بولا۔ ”کیا بات ہے سونی؟“

سونی اپنے بھائی کو دیکھ کر زور زور سے رونے لگی۔ روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ ہچکیوں کے درمیان بولی۔ ”پیارے بھائی! تم جانتے ہو میں نے حد سے زیادہ ظلم برداشت کیے ہیں اب اور ظلم برداشت کرنا میری طاقت سے باہر ہیں۔“

”ہاں! میں جانتا ہوں۔ تم پر ظلم ہوتا دیکھ کر میں کتنا دکھی ہوں یہ تم بھی جانتی ہو لیکن کیا کروں، مجبور ہوں۔“

”اگر میں اسی طرح سوتیلی ماں کے ساتھ رہی تو ایک دن روتے روتے اپنی جان دے دوں گی۔“

”نہیں! نہیں!! میں تمھیں مرنے نہیں دوں گا۔ سنو ہم آج ہی یہ گھر چھوڑ کر کہیں دور چلے جاتے ہیں۔ ہم کہیں بھی جیسے تیسے زندگی گزار لیں گے۔ لیکن تمھیں اس روز روز کے ظلم سے نجات تو مل جائے گی۔“

یہ سن کر سونی نے چونک کر آشو کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی آ گئی تھی۔

”ہاں! اب یہی آخری راستہ ہے۔“

دونوں نے گھر سے بھاگنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ جب رات آدھی گزری تو دونوں دبے پاؤں اصطبل میں گئے اور وہاں سے انھوں نے دو ایسے گھوڑے کھولے جو تیز رفتار اور پھرتیلے تھے۔ دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور ایک طرف روانہ ہو گئے۔

گھوڑے ہوا سے باتیں کر رہے تھے۔ کئی علاقے آئے اور گزر گئے۔ وہ یہ جانے بغیر کہ اس وقت کہاں ہیں اپنے سفر پر رواں دواں تھے۔ کئی گاؤں راستے میں پڑے اور نکل گئے، کبھی پہاڑ آئے اور کہیں میدان مگر وہ کہیں نہ رکے اور اپنا سفر جاری رکھا۔

آخر بہت سا سفر طے کرنے کے بعد جب وہ ایک پہاڑی راستے پر پہنچے تو سونی نے کہا۔ ”اس دھرتی پر ہر شخص کا گھر ہے۔ یہاں تک کہ پرندے بھی گھونسلا بنا لیتے ہیں مگر اپنا گھر کہاں ہے؟“

”تم گھبراؤ نہیں سونی! بہت جلد اپنا کوئی گھر ہو گا۔“

چلتے چلتے وہ ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچے۔ وہ جگہ انھیں اتنی پسند آئی کہ وہ تھوڑا آرام کرنے کے لیے رک گئے۔ دونوں گھوڑے سے نیچے اتر آئے اور انھوں نے اپنے گھوڑے درخت سے باندھ دیے اور خود ایک محفوظ جگہ دیکھ کر رات بسر کرنے کے لیے لیٹ گئے۔

صبح جب ان کی آنکھ کھلی تو وہ آس پاس کا منظر دیکھ کر

حیران رہ گئے۔ پہاڑوں کے درمیان جنگلی پھول اور گھاس اُگی ہوئی تھی اور ان سے سرخ سی روشنی پھوٹ رہی تھی اور چاروں طرف سے زبردست خوشبو آرہی تھی۔ انھوں نے اٹھ کر سرشاری سے چاروں طرف دیکھا تو تھوڑی دور پر انھیں ایک جھیل دکھائی دی جس کا پانی سرخ تھا۔

جھیل کا سرخ پانی شیشے کی طرح صاف وشفاف تھا۔ سونی کو پیاس محسوس ہورہی تھی وہ بھاگ کر جھیل کے پاس گئی اور چلو میں پانی بھرکر ایک گھونٹ پیا۔ جھیل کا سرخ پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا تھا۔ پھر تو اس نے خوب جی بھرکر پانی پیا۔ پانی پیتے ہی اس کی رنگت بھی سرخی مائل ہوگئی۔ وہ اور زیادہ خوبصورت نظر آنے لگی۔

آشو یہ سب کچھ حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ اچانک گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سن کر چونک کر ادھر دیکھنے لگا اور— حیران رہ گیا۔ گھوڑے جھیل کا پانی پی کر موٹے اور سرخ ہوگئے تھے۔

''ارے! یہ سب کیا ہے؟'' سونی کے منہ سے نکلا۔

''اس پانی اور گھاس میں یہ کیسی تاثیر ہے؟'' آشو بولا وہ کچھ خوفزدہ تھا۔ ''جتنی جلد ہو سکے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''

دونوں فوراً جلدی سے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور گھوڑوں کو ایڑ لگا کر باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ اس طرح وہ بہت تیزی سے اس سرخ وادی سے نکل آئے اور پھر سے اپنا سفر شروع کر دیا۔

چلتے چلتے شام ہوگئی اور دونوں ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں ایک چھوٹا سا گاؤں آباد تھا۔ گاؤں کے باہر جھونپڑیاں نظر آرہی تھیں۔

دونوں گھوڑے سے اترے اور گھوڑوں کو ایک درخت سے باندھ کر ایک جھونپڑی کے دروازے پر دستک دی۔

چند لمحوں بعد اس جھونپڑی کا دروازہ کھلا اور ایک بوڑھی عورت کا چہرہ دکھائی دیا۔ ''تم لوگ کون ہو؟''

''ارے نیک دل ماں! ہم مسافر ہیں اور بہت مصیبت زدہ بھی، دور دراز کا سفر طے کر کے آئے ہیں۔ ہمیں رات گزارنے کے لیے جگہ چاہیے۔''

''اچھا! تو پھر اندر آجاؤ بچو۔'' بوڑھی عورت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میرا نام آشو ہے اور یہ میری چھوٹی بہن سونی ہے۔'' آشو نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''تم لوگ بھوکے ہوگے میں تمھارے لیے چاول پکاتی ہوں۔'' بوڑھی نے کہا۔ اسی وقت اس نے چاول پکائے اور دال پکائی اور انھیں پیار سے کھانا کھلایا۔ سونی اور آشو کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے واقعی اس کی سگی اور مہربان ماں ان کے سامنے ہو۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ انھوں نے بوڑھی عورت کو اول سے آخر اپنے تمام حالات بتادیے کہ کس طرح وہ سوتیلی ماں کے ظلم سے تنگ آکر گھر سے بھاگے اور راستے میں سفر کے دوران سرخ پانی کی جھیل پر پہنچے تو ان کے ساتھ کیا بیتی؟

سرخ پانی کی جھیل کا ذکر سن کر بوڑھی عورت کچھ پریشان سی ہوگئی اور کچھ ہی دیر میں وہ رونے لگی۔

''میرے لاڈلو۔'' بوڑھی عورت نے روتے ہوئے کہا۔ ''مجھے خوف ہے اب تم دونوں زیادہ دنوں تک ایک دوسرے کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔''

یہ سن کر دونوں بھائی بہن گھبرا گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ سرخ پانی کی جھیل کے سبب ان کی جدائی کیسے ہوجائے گی۔ یہ کیا راز ہے؟

"سنو! تم نے جو سرخ پانی کی جھیل دیکھی ہے اس کا پانی ایک سرخ پہاڑ سے آتا ہے۔ اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک بہت بڑا صنوبر کا درخت ہے۔ ہر سال اس صنوبر کے پتے سرخ ہو جاتے ہیں تو پھر یہ درخت ایک سرخ چہرے والے شیطان میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ سرخ چہرے والا شیطان پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاتا ہے اور وہاں سے اُن لڑکیوں کو دیکھتا ہے جو اس سرخ پانی کی جھیل سے پانی پیتی ہیں۔ پھر وہ ان لڑکیوں میں سب سے خوبصورت لڑکی کو پسند کر کے اسے اٹھا لے جاتا ہے۔ اور مجھے ڈر ہے کہ سونی اس سے بچ نہیں سکے گی۔"

یہ کہہ کر بوڑھی عورت پھر رونے لگی۔ "سونی بھی خوفزدہ ہو کر سہم گئی۔ لیکن آشو دلیری سے بولا۔ "مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ وہ شیطان کتنا خطرناک ہے وہ سونی کو نہیں لے جا سکتا۔"

"تم دونوں بہت اچھے ہو۔ جب سے یہاں آئے ہو میرے گھر میں رونق ہوگئی ہے۔ میں چاہتی ہوں تم دونوں ہمیشہ میرے ساتھ رہو۔"

دونوں بھائی بہن بوڑھی عورت سے لپٹ گئے۔ "تم کتنی اچھی اور مہربان ہو ماں۔"

اب دونوں بھائی بہن بوڑھی عورت کا بہت خیال رکھتے اسے کوئی کام نہ کرنے دیتے۔ سونی نے گھر کا سارا کام سنبھال لیا اور باہر کھیتی باڑی کا کام آشو نے۔ ان دونوں نے مل کر بوڑھی عورت کو نئی زندگی دے دی۔ یہ سکھ اور آرام دیکھ کر بوڑھی عورت اپنے سارے غم بھول گئی۔

دن ہنسی خوشی سے گزرتے رہے۔ موسم بدلا تو ایک دن بوڑھی عورت نے دیکھا صنوبر کے درخت کا ایک بڑا سرخ پتا اڑتا ہوا صحن میں آکر چکریاں کھانے لگا۔ بوڑھی عورت نے دیکھا کہ اس تیز بگولے کے درمیان سرخ چہرے والا شیطان کھڑا قہقہے لگا رہا ہے۔ اس کے سر پر لمبے لمبے سرخ بال تھے اور داڑھی بھی سرخ تھی۔ اس نے اپنی لمبی آستین کو ایک زور کا جھٹکا دیا اور اس کے ساتھ ہی صنوبر کا ایک پتا پالکی میں تبدیل ہوگیا۔ اس پالکی میں پہیے لگے ہوئے تھے جیسے پالکی کسی دلہن کے لیے تیار کی گئی ہو۔

بوڑھی عورت نے یہ منظر دیکھا تو اس کے ہوش و حواس جاتے رہے وہ ایک دہشت زدہ چیخ مار کر زمین پر گر پڑی۔

سونی اور آشو بوڑھی کی چیخ سن کر باہر نکل آئے۔ سونی کو دیکھ کر سرخ چہرے والے شیطان نے اپنے چغّے کی لمبی آستینوں کو ایک جھٹکا دے کر ہلایا اور دوسرے ہی لمحے سونی پالکی میں بیٹھی نظر آئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پالکی آسمان کی طرف اٹھنے لگی۔ اور پلک جھپکتے ہی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔

یہ دیکھتے ہی بوڑھی عورت نے رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ حالانکہ آشو بھی بہت غمزدہ اور پریشان تھا لیکن اس نے ہمت سے کام لیا اور بوڑھی ماں کو سنبھالا۔ "تم گھبراؤ نہیں ماں! سونی کو میں واپس لاؤں گا۔"

"نہیں۔ نہیں۔ آج تک کوئی شخص کسی لڑکی کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے اس کے پیچھے نہیں گیا۔ اگر تم گئے تو بے موت مارے جاؤ گے۔ اس شیطان کا مقابلہ کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ میں تمھیں ہرگز نہیں جانے دوں گی۔" بوڑھی عورت نے آشو کو بہت سمجھایا کہ وہ کسی طرح اپنے ارادے سے باز آجائے مگر وہ نہیں مانا۔

"ٹھیک ہے اب اگر تم جا ہی رہے ہو تو پھر میرے شوہر کی تلوار ساتھ لے جاؤ۔ یہ مصیبت میں تمھارے کام آئے گی۔" یہ کہہ کر بوڑھی عورت نے اندر سے ایک پرانی تلوار لا کر اُسے تھما دی۔

آشو نے تلوار کمر سے باندھی اور اصطبل سے ایک تیز رفتار گھوڑے کو لیا اور خدا حافظ کہتا ہوا بڑے پہاڑ کی طرف

چل دیا۔

آشو اپنی بہن سونی کے لیے بہت پریشان اور غمزدہ تھا اور جلد سے جلد اسے حاصل کر لینا چاہتا تھا۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کر رہا تھا وہ پہاڑوں کے درمیان ایک خلیج کو دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ اس نے گھوڑے کو مخاطب کر کے کہا۔ ''اے گھوڑے! چھلانگ لگا کر اس خلیج کو پار کر جا۔''

یہ سنتے ہی گھوڑے نے بڑی پھرتی اور تیز رفتاری سے ایک لمبی جست بھری اور اس خلیج کو عبور کرتا ہوا دوسرے پہاڑ پر پہنچ گیا اور مسلسل بھاگتا رہا۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ رات

گھوڑے نے بڑی پھرتی اور تیزی سے چھلانگ لگائی اور ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ وہ تمام پہاڑ پار کرتا ہوا اس بڑے پہاڑ پر لے گیا جہاں پہاڑ کی چوٹی پر ایک غار میں اس سرخ چہرے والے شیطان نے سونی کو چھپایا ہوا تھا۔

غار میں سونی غمزدہ سی بیٹھی تھی اور سرخ چہرے والا شیطان اس سے کہہ رہا تھا۔ ''جب سے تم نے سرخ جھیل کا پانی پیا ہے اس وقت سے تم میری بیوی بن چکی ہو۔''

''ہرگز نہیں! میرا بہادر جیالا بھائی آشو مجھے لینے آئے گا۔''

ہونے پر بھی وہ کہیں نہ رکا اور نہ دم لیا وہ برابر آگے بڑھتا رہا۔

جب صبح ہوئی اور چاروں طرف روشنی پھیل گئی تو اس نے اپنے آپ کو ایک بہت بڑے پہاڑ پر پایا۔ آشو وہاں ٹھہر گیا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ ''وہاں چاروں طرف ویرانی نظر آئی تو وہ پھر گھوڑے سے بولا۔

''اے گھوڑے مجھے اپنی بہن سونی کو تلاش کرنا ہے۔ خواہ اس کے لیے مجھے تمام پہاڑوں کی خاک کیوں نہ چھاننی پڑے۔ چل میرے گھوڑے۔''

''اسے بھول جاؤ۔ وہ اب کبھی نہیں آسکے گا۔ یہاں تک پہنچنا اس کے بس کی بات نہیں۔'' پھر وہ ڈینگ مارتے ہوئے بولا۔ ''اچھا چلو اگر تمھارا بھائی اس سرخ پہاڑ تک آجائے تو میں تمھیں اس کے ساتھ جانے کی اجازت دے دوں گا۔''

اچانک باہر ہوا کا شور ہوا سرخ شیطان نے باہر دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ اس نے دیکھا آشو اپنے گھوڑے پر سوار چٹانوں اور گھاٹیوں سے ہوتا ہوا اس تک آ پہنچا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے وہ حیران و پریشان اسے دیکھتا رہا پھر بڑی تیزی سے اپنی کمر کی

پٹی کو آشو کی طرف پھینکا جو دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑے خونخوار شیر میں تبدیل ہوگئی۔

اچانک شیر نے اپنا غار نما منھ کھولا اور آشو اپنے گھوڑے سمیت شیر کے منھ میں چلا گیا اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی بہت بڑے کھولتے ہوئے کڑھاؤ میں گر گیا ہو۔ پھر بھی آشو نے بوڑھی عورت کی دی ہوئی تلوار نکالی اور شیر کا پیٹ چاک کر دیا۔ شیر کا پیٹ چاک ہوتے ہی آشو اور اس کا گھوڑا دونوں باہر زمین پر آ گرے۔

آشو اٹھ کر غار کی طرف بڑھا یہ دیکھ کر سرخ چہرے والے شیطان نے تکیے کے دو غلاف لے کر اپنی آستین جھٹکیں اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں غلاف سونی کی شکل اختیار کر گئے۔ چنانچہ اب وہاں ایک کی بجائے تین تین سونی دکھائی دینے لگیں۔ تینوں بے حس و حرکت ساکت تھیں۔ شیطان نے اپنے جادو کے زور سے انھیں پتھر کا بنا دیا تھا اور یہ کرنے کے بعد خود غائب ہو گیا تھا۔

آشو اپنی تلوار لے کر غار میں داخل ہوا۔ جونہی اس نے اندر قدم رکھا وہ حیران و ششدر رہ گیا۔ اس کے قدم جہاں تھے وہیں رک گئے۔ اس کے سامنے ایک کی بجائے تین سونی موجود تھیں۔ اس نے باری باری ہر ایک کا بغور جائزہ لیا مگر وہ اصلی سونی کی شناخت نہ کر سکا۔

سونی سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی مگر وہ بول نہیں سکتی تھی شیطان نے اسے پتھر کا بنا دیا تھا۔ یہی سب سوچ کر اس کا دل بھر آیا اور موٹے موٹے آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر گالوں پر بہنے لگے۔

''یہی میری اصلی سونی ہے۔ میری بہن....'' اس کے آنسو دیکھ کر بے اختیار آشو چلا اٹھا اور اس نے آگے بڑھ کر سونی کو اٹھا لیا اور اپنے گھوڑے کو آواز دی۔

''اے گھوڑے! تجھے راستہ معلوم ہے اب ہمیں واپس لے چل۔''

گھوڑے نے یہ سنا اور ایک راستے پر ہولیا۔ اس کے پیچھے پیچھے آشو چلنے لگا اس نے کندھوں پر سونی کو اٹھا رکھا تھا اور سنبھل سنبھل کر قدم رکھ رہا تھا۔ راستہ بڑا دشوار اور ناہموار تھا۔ وہ اسی طرح آگے بڑھتا رہا کہ اچانک صنوبر کے پتے درخت سے ٹوٹ کر اس کے سامنے آگرے۔ پتوں کا گرنا تھا کہ سرخ چہرے والا شیطان اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

اُسے دیکھتے ہی آشو نے جلدی سے ایک بازو سے سونی کو تھاما اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر مقابلے کے لیے تیار ہو گیا اور حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔

''ٹھہرو بہادر نوجوان'' اچانک شیطان بول پڑا۔ ''میرا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت تھا میں نے کبھی کسی پر ترس نہیں کھایا اور میں نے آج تک کسی سے ہار نہیں مانی — لیکن — آج میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں تم سے ہار گیا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے سونی کی طرف اپنی آستین جھاڑی۔ وہ فوراً اپنی اصلی حالت میں آ گئی۔

''جاؤ سدھارو —'' شیطان نے کہا اور غائب ہو گیا۔

دونوں بہن بھائی گلے ملے اور گھوڑے پر سوار ہو کر واپس چلے۔ آشو نے بلند آواز میں کہا۔ ''بوڑھی ماں! میں آ رہا ہوں — میں آ رہا ہوں۔''

گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

■

Anees Mirza
852- Chandni Mahal, Darya Ganj
New Delhi-110002

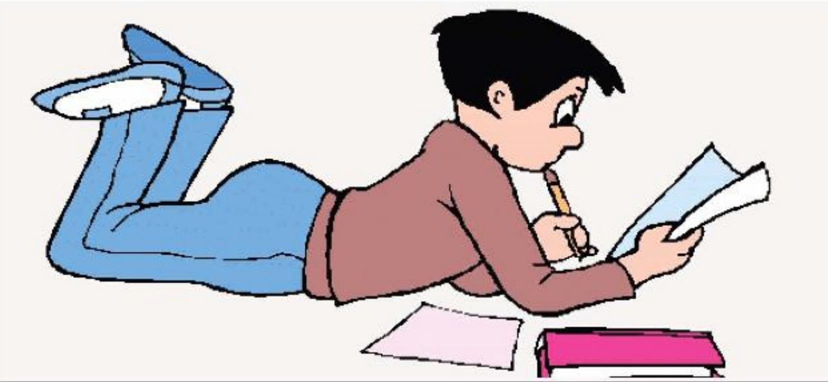

حسد

اقبال برکی

ڈاکٹر اقبال برکی ایم اے، بی ایڈ، پی ایچ ڈی، اے ٹی ٹی ہائی اسکول اور جونیئر کالج مالیگاؤں میں تدریس سے وابستہ تھے۔ وہ بچوں کے ادیب کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ ادب اطفال سے متعلق ان کی بہت سی کتابیں ہیں جن میں طلسمی چال، میک بیتھ کی کہانی، دھوئیں کا راز، موتی، شہزادے کا خواب، سو برس تک سونے والی شہزادی، استاد کی نصیحت، پانچ کہانیاں، سندباد جہازی، کریم بیگ کا مرغا، آزادی، ایک دکھ بھری کہانی، عقل مند کچھوا وغیرہ قابل ذکر ہیں اور کئی کتابیں زیر طبع ہیں۔ وہ بچوں کی دلچسپی اور ذوق وشوق کا خاص خیال رکھتے ہیں۔

امجد صبح سے ہی اپنا بستہ اور اپنا ساز وسامان لے کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم کے ایک کونے میں بیٹھا تھا اور اس کا بستہ ایک طرف کھلا اور اس کا سارا سامان اس کے اردگرد بکھرا پڑا تھا۔ وہ اپنے کام میں ایسا مگن تھا کہ اُسے کچھ بھی ہوش نہیں تھا کہ وہاں کون کب آیا اور گیا اور کس نے اس کی طرف دیکھا اور کس نے نہیں دیکھا۔ اُسے کچھ معلوم نہیں تھا اور نہ اسے اس کی کوئی فکر تھی۔

اُس کے ابّو جب گھر سے روانہ ہونے لگے تو انھوں نے ایک لمحہ ٹھہر کر اُسے دیکھا ضرور تھا اور پھر مسکرا کر آگے بڑھ گئے تھے۔ نہ امجد نے ان کی طرف دیکھا تھا اور نہ ہی کسی چیز کی فرمائش کی تھی اور نہ ہی ان سے پوچھا تھا کہ وہ کب تک واپس لوٹ آئیں گے۔ اس کے ابّو کو صرف حیرت ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ جیسے انھیں ایک طرح کی کمی کا احساس ہوا تھا ورنہ روزانہ کا معمول تھا کہ جب وہ نکلنے لگتے، امجد انھیں ڈرائنگ روم میں ملتا اور ہر روز ان سے پوچھتا کب آئیں گے، میری فلاں چیز لیتے آنا اور فلاں چیز نہیں ہے وہ دلا دیں۔ لیکن آج امجد اتنا مگن تھا کہ اُس نے سر اُٹھا کر ان کی طرف دیکھا تک نہیں تھا۔ اسی لیے اس انہونی پر وہ مسکرائے تھے۔

اس کی امی نے اسے کئی بار ٹوکا بھی کہ اب وہ وہاں سے اٹھے، جائے اور باہر دوسرے لڑکوں کے ساتھ کچھ دیر کھیل لے۔ مگر وہ تو ایسا کھویا ہوا تھا جیسے کچھ سنا ہی نہیں اور اس کی امی اسے کچھ دیر یوں ہی کھڑی دیکھتی رہی اور سر ہلا کر اپنے روزمرہ کے معمولات میں مشغول ہوگئی۔

امجد ڈرائنگ روم میں ڈرائنگ بناتا رہا۔ وہ پانچویں جماعت کا طالب علم تھا۔ رابعہ اس کی اکلوتی بہن تھی جو ساتویں جماعت میں تھی۔ اُس نے بھی امجد کو ڈرائنگ بناتے ہوئے دیکھا تھا۔ آج اسکول کی چھٹی ہونے کی وجہ سے وہ امی کے ساتھ کچن میں مصروف رہی لیکن جب بھی موقع ملتا وہ وہاں

سے چل کر ڈرائنگ روم میں آتی اور امجد کی ڈرائنگ کو نظر بھر کر دیکھتی اور وہاں سے رخصت ہو جاتی۔ ساڑھے بارہ بجے کے قریب اُس کے ابو لوٹ آئے تھے۔ امجد کو اسی جگہ اسی محویت کے عالم میں دیکھ کر انھیں حیرت بھی ہوئی تھی۔ انھوں نے ساتھ لائے تازہ اخبار کو کھولا اور وہیں ایک طرف صوفے کے ایک کونے پر نیم دراز ہو کر اخبار پڑھنے لگے۔ یہاں سے امجد اور اس کی ڈرائنگ صاف نظر آتی تھی۔ انھوں نے دیکھا کہ امجد نے ایک لینڈ اسکیپ بنایا ہے۔ ایک میدانی علاقے کا منظر، جس کے عقب میں دور تک پھیلا ہوا پہاڑی سلسلہ ہے۔ وہ اس کے تخیّل پر حیران اور اس کی مشاقی پر اندر ہی اندر خوش بھی ہو رہے تھے اور کیوں نہ ہوتے؟ محبت کرنے والے باپ تھے۔ اولاد کی ابھرتی ہوئی صلاحیتوں اور لیاقتوں سے کس باپ کا دل خوش نہیں ہوتا! وہ سوچ رہے تھے، 'ابھی امجد کی عمر ہی کیا ہے، لیکن منظر کی جزئیات پر کیسی اچھی گرفت ہے۔' ساتھ ہی برش چلانے میں اسکی صفائی اور رنگوں کی آمیزش پر بھی وہ بہت مسرور تھے۔ انھوں نے امجد کو ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا اور بظاہر اخبار پڑھنے میں مصروف رہے لیکن حقیقتاً ان کی پوری توجہ امجد ہی کی طرف تھی۔

وہ ڈرائنگ تقریباً مکمل کر چکا تھا۔ وہ تھوڑی دیر بعد اپنا برش اٹھاتا صاف کرتا اور پھر کسی اور کلر میں اسے ہلکے سے ڈبو دیتا اور تصویر کے کسی اور حصے پر اتنی ہی آہستگی سے کوئی ٹچ دے دیتا تھا۔ اس نے ایسا کئی بار کیا تھا اور ہر مرتبہ ٹچ دینے کے بعد وہ اپنے بنائے ہوئے منظر کو کبھی نزدیک سے اور کبھی کچھ دور سے دیکھتا تھا۔ کبھی دائیں طرف جھک جاتا اور دیکھتا اور کبھی بائیں طرف جھک جاتا اور دیکھتا تھا۔ غرض وہ اپنی ڈرائنگ کو زاویہ بدل بدل کر دیکھ رہا تھا اور ہر طرح سے اطمینان کر لینا چاہتا تھا۔ جب اسے اچھی طرح سے اطمینان ہو گیا تو اس نے بنائی ہوئی تصویر کو ایک مرتبہ پھر فرش پر رکھ دیا۔ اب وہ اس کے چاروں طرف ایک بارڈر بنانا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے رنگوں کا نیا امتزاج کرنا شروع کر دیا اور انھیں ملا کر ایک نیا رنگ بنانے میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس رنگ کو قریب پڑے ہوئے ایک سادہ کاغذ پر رکھتا، اس پر پھونکتا، جب رنگ کچھ خشک ہو جاتا تو اسے پھر ادھر سے اور ادھر سے دیکھتا۔ غرض کہ وہ ابھی تک بارڈر کے رنگ سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔ اس دوران رابعہ کئی بار وہاں آئی تھی۔ وہ امجد کے بالکل قریب تک چلی جاتی تھی۔ امجد ہر مرتبہ اسے ٹوکتا کہ وہ کچھ دور رہے اور ہر بار وہ جھلا کر جواب دیتی، ”تو کیا میں اندھی ہوں؟ مجھے دکھائی نہیں دیتا؟ بڑا آیا ہے ڈرائنگ بنانے والا!“

اور کوئی دن اور وقت ہوتا تو رابعہ کا جملہ کسی جنگ کے بگل سے کم نہ ہوتا۔ مگر اس دن امجد اس کا کوئی جواب نہیں دیتا اور اپنے کام میں لگا رہ جاتا۔ اب جبکہ امجد تصویر کے گرد بارڈر بنانے میں مصروف تھا رابعہ پھر ایک مرتبہ وہاں آئی۔ اس کے ابو نے رابعہ کو دیکھا۔ وہ پھر چلتی ہوئی امجد کے بالکل قریب تک چلی گئی۔ اس کے ابو کی نظر اس پر ہی تھی۔ انھوں نے دیکھا کہ چلتے چلتے رابعہ نے امجد کے قریب رکھی ہوئی ایک فاؤنٹن پین کو ایسے ٹھوکر ماری کہ وہ سیدھی جا کر رنگ کی پلیٹ سے ٹکرائی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی کٹوریوں کا رنگ امجد کی بنائی ہوئی تصویر پر اور کچھ اس کے کپڑوں پر بکھر گیا۔

اتنی محنت اور لگن سے بنائی تصویر کا یوں آناً فاناً ایسا حشر ہوتا ہوا دیکھ کر وہ بری طرح جھلا گیا تھا۔ وہ چیخ مار کر اپنی آپی کی طرف جھپٹا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اس کے بال پکڑے اور دوسرے ہاتھ کا گھونسہ رابعہ پر پڑنے ہی والا تھا کہ اس کے ابو نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔ امجد کی آنکھوں میں آنسو لہرائے اور

دیکھتے ہی دیکھتے رخسار پر ڈھل گئے۔ اسی لمحے اس کے ابو نے دیکھا کہ رابعہ کی آنکھوں میں ایک لمحہ کے لیے ایک فاتحانہ سی چمک آئی اور غائب ہوگئی۔ انھوں نے دونوں کو الگ کیا اور اپنے ساتھ لیے صوفے پر آگئے۔ امجد کی چیخ سن کر ممی بھی کچن سے نکل کر وہاں تک دوڑی چلی آئی تھی۔ امجد کی بنائی ہوئی تصویر کا حشر دیکھ کر اس کے بھی تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ اتنا سنتے ہی کہ رابعہ نے تصویر خراب کی ہے، ممی نے اسے دو طمانچے رسید کر دیے اور پھر اسے ڈانٹتے ہوئے بولی، ''بے چارہ صبح سے لگا ہوا تھا لیکن تجھ سے دیکھا نہ گیا۔ بس اب ٹھنڈا پڑ گیا نا؟ اسی لیے تو بار بار آتی تھی کہ کب اس کا کام پورا ہو اور تو اسے خراب کرے۔ آخر کر لی نا اپنے من کی!''

امجد کے ابو نے اسے اشارے سے چپ کرایا۔ ممی بھی امجد کی طرف بڑھی اور اس کے بازو سے صوفے پر بیٹھ کر اس کا سر سہلانے لگی۔ رابعہ اس کے ابو کی دوسری طرف تھی۔ ابو نے باری باری دونوں کو دیکھا اور پھر رابعہ کو مخاطب کرتے ہوئے نرمی اور شفقت سے بولے، ''رابعہ! تم نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی ہے۔ تم امجد کی ڈرائنگ سے جل گئی تھی۔''

رابعہ اب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ اس کے ابو نے اس کا رونا نظر انداز کر دیا اور بولتے رہے۔ وہ بولے، ''بیٹا اسے ہی حسد کہتے ہیں اور حسد اچھا نہیں ہوتا۔ اس سے صرف نقصان ہی ہوتا ہے۔ دیکھو بیٹا! امجد کی ڈرائنگ سے جلنے کی بجائے اگر تم اس پر رشک کرتی تو شاید آگے جا کر تم بھی کچھ نہ کچھ اچھی ڈرائنگ بنانے لگتی۔ میں جانتا ہوں تم ڈرائنگ میں کمزور ہو مگر بیٹا!'' وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔ پھر اپنا بایاں ہاتھ اٹھا کر رابعہ کے سر پر پھیرا اور بولے، ''مگر بیٹا، ہمیشہ یاد رکھنا کہ اگر تم کسی چیز میں کمزور ہو تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تم میں کوئی چیز، کوئی صلاحیت نہیں ہے۔ تم میں کوئی دوسری صلاحیت ایسی ضرور ہوگی جو دوسروں سے زیادہ ہوگی۔ بس ضرورت اس بات کی ہے کہ تم میں کون سی صلاحیت ہے اسے پہچانو اور اس پر اتنی توجہ دو اور اتنی محنت کرو کہ دوسروں سے بہت آگے جا نکلو۔ دنیا خود بخود تمھاری قدر کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ لیکن کسی کی مہارت یا صلاحیت دیکھ کر اگر صرف تم جلتی رہو گی تو دوسروں کی نظروں سے تو گرو گی ہی ایک وقت آئے گا جب اپنی نظر سے بھی گر جاؤ گی اور اس طرح اپنے اندر کی خداداد صلاحیت کو بھی ضائع کر بیٹھو گی۔''

وہ پھر چند لمحے کے لیے خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد بولے، ''امجد بیٹا! تم دل چھوٹا مت کرو۔ تم اچھی ڈرائنگ بناتے ہو۔ کل پھر بنا لینا۔ تمھاری صرف ڈرائنگ خراب ہوئی ہے لیکن تمھاری صلاحیت تمھارے پاس ہے۔ اسے کوئی نہیں چھین سکتا۔ تم کل اس سے بھی اچھی ڈرائنگ بنا سکتے ہو اور بنا لو گے۔'' وہ خاموش ہو کر امجد کی آنکھوں میں دیکھنے لگے پھر چند لمحے بعد محبت سے اس کے گالوں پر تھپکی دیتے ہوئے بولے، ''جلنے والا تمھاری صلاحیت سے جل سکتا ہے لیکن چھین نہیں سکتا۔ تم اپنی صلاحیت کو پہچانو اور اسے بڑھاؤ اور بڑھاؤ اور بڑھاؤ اتنا کہ دوسرے تمھارے مقابلے میں نہ رہ سکیں۔ ایک وقت آئے گا کہ دنیا والے خود اسے ماننے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

اتنا کہہ کر انھوں نے اپنے دونوں بچوں کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ لیکن وہ یہ نہیں دیکھ سکے کہ رابعہ کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں میں ندامت کے کاجل بھی تھے جو بہتے ہوئے نیچے آئے اور ان کے قمیص میں جذب ہو گئے۔

■

Dr. Iqbal Berki
155, MHAD, Noor Bagh,
Malegaon. 423203
Dist. Nasik (Maharashtra)

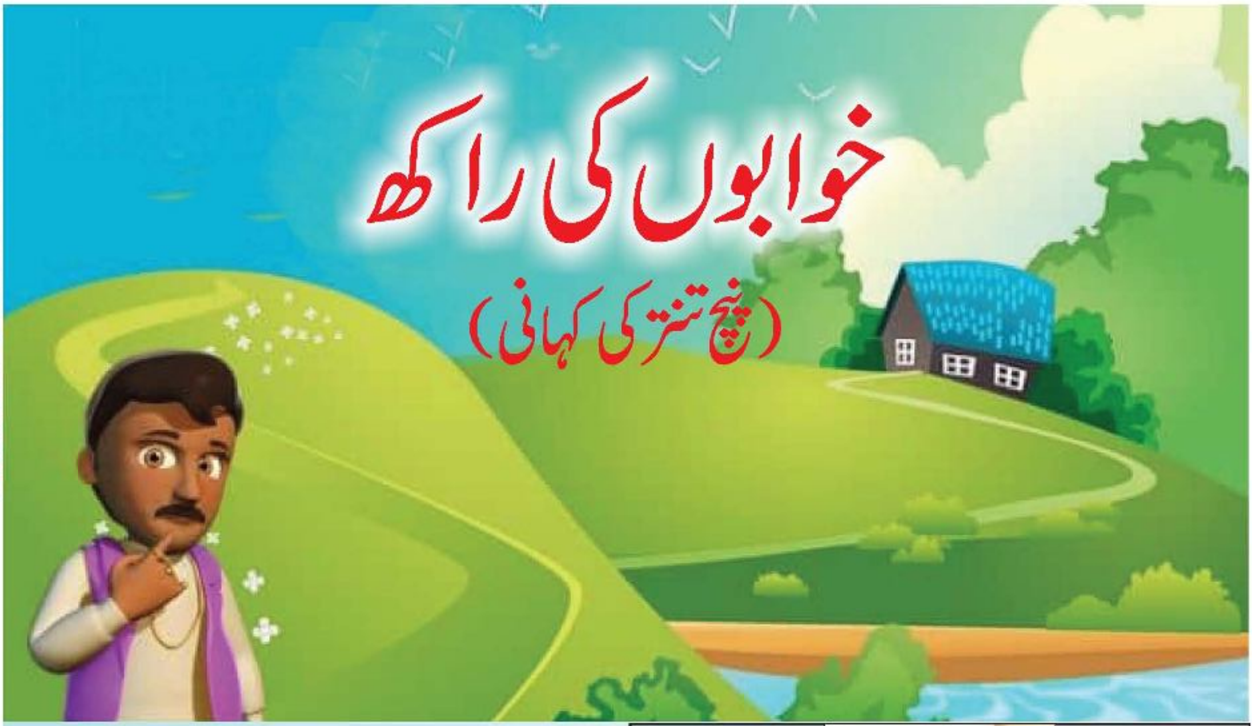

خوابوں کی راکھ

(پنچ تنتر کی کہانی)

محمد اطہر مسعود خاں

محمد اطہر مسعود خان کا تعلق رامپور جیسی مردم خیز سرزمین سے ہے۔ وہ اردو کے معروف ادیب ہیں۔ انھوں نے بڑوں کے لیے اشاریہ (نیا دور)، ڈاکٹر وقارالحسن صدیقی: حیات و کارنامے جیسی کتابیں لکھی ہیں وہیں بچوں کے لیے بھی انھوں نے کھلتی کلیاں، جھوٹ کے پیڑ، موم کا دل جیسی کتابیں تحریر کی ہیں۔ مختلف رسائل میں بچوں کے لیے اب تک ان کی 70 سے زائد کہانیاں شائع ہو چکی ہیں۔ سوکھی بارش' اور طوطا چشم' کے عنوان سے بچوں کے لیے ان کی کہانیاں زیر ترتیب ہیں۔

کسی زمانے میں ہمارے ملک میں ایک برہمن رہتا تھا۔ وہ انتہائی غریب تھا اور بھیک مانگ کر اپنی گزر بسر کرتا تھا۔ اسے بڑی بھاگ دوڑ کے بعد صرف ایک وقت کا ہی کھانا مل پاتا تھا۔ کبھی کبھی تو اس کو فاقے بھی کرنے پڑتے تھے لیکن ایک دن اچانک اس کی قسمت جاگ اٹھی اور کسی نے ایک ہانڈی بھر کر اس کو آٹا دے دیا۔ اتنا بہت سا آٹا پا کر وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ وہ ہانڈی لے کر اپنی جھونپڑی پر پہنچا اور اسے اپنی ٹوٹی پھوٹی کھاٹ کے پاس لٹکا کر آرام سے لیٹ گیا۔ ہانڈی اس کے سامنے لٹکی ہوئی تھی اور وہ اسے مسلسل تک رہا تھا۔

اس نے لیٹے لیٹے سوچا ''اگر میرے پاس بھی روپیہ پیسہ ہوتا تو مجھے در بہ در پھر کر بھیک نہ مانگنی پڑتی۔'' اس کی سوچ اوپر، اور اوپر چڑھنے لگی اور اس نے عجیب و غریب طریقے سے اپنی زندگی گزارنے کے پلان بنانے شروع کر دیے۔ اس نے سوچا ''اتنی بڑی ہانڈی اور اس میں اتنا بہت سا آٹا! اگر میں کئی دن بیٹھے بیٹھے روٹیاں کھاؤں تب بھی آٹا ختم نہ ہوگا۔''

اچانک ایک بڑی اچھی ترکیب اس کے دماغ میں آئی

"میں اتنا بہت سا آٹا اپنے پاس رکھنے کے بجائے اسے بیچ ہی کیوں نہ دوں؟ ملک میں قحط پڑا ہوا ہے اس لیے یہ آٹا اچھی قیمت پر فروخت ہوسکتا ہے۔ میں بازار جاؤں گا اور آواز لگا کر سب آٹا بیچ دوں گا۔ اس کے لیے میں جگہ جگہ لگاتار پھروں گا اور کہوں گا۔ بڑھیا آٹا لے لو، تازہ آٹا لے لو!"

"اے بات سنو!" میری آواز سن کر ایک آدمی کہے گا "ہم دس روپے میں تمھارا سب آٹا لے لیں گے۔"

یہ سن کر پاس ہی کھڑا دوسرا آدمی مجھ سے کہے گا "اتنے ڈھیر آٹے کے تم دس روپے لے رہے ہو، میں تمھیں پندرہ روپے دوں گا، تم یہ سب آٹا مجھے دے دو۔"

"واہ! یہ کیا بات ہوئی؟" تیسرا ادمی بولے گا "میں اس آٹے کے پندرہ نہیں بلکہ بیس روپے دوں گا۔"

میں اس پر راضی ہوجاؤں گا اور بیس روپے میں سب آٹا اس کے ہاتھ بیچ دوں گا۔

تب میرے پاس زندگی میں پہلی بار اتنے بہت سے روپے ہوں گے کہ میں خوشی سے پھولے نہ سماؤں گا اور سوچوں گا کہ بیس روپے مجھے کسی کام میں لینے چاہئیں۔ پھر میں ان روپیوں سے دھوتی کرتا اور جوتے خریدوں گا مگر نہیں، خالی جوتے کپڑے سے کیا ہوتا ہے! میں ان بیس روپیوں سے کوئی کاروبار کروں گا اور اس کے لیے میں سب سے پہلے دو بکریاں خریدوں گا۔ انھیں پودوں کی پتیاں اور ہری ہری گھاس کھلاؤں گا۔ پھر میری بکریوں کے بچے ہوں گے۔ بہت اچھے، پیارے اور خوب صورت! رفتہ رفتہ یہ بچے بڑے ہوجائیں گے۔ پھر میرے پاس کم سے کم دس بکریاں ہوجائیں گی۔ میں ان دس بکریوں کو بازار لے کر جاؤں گا۔ "بکریاں لے لو، بکریاں لے لو!" میں اس طرح زور زور سے آوازیں لگاؤں گا: "موٹی تازی بکریاں!" بکریاں دیکھ کر ایک دیہاتی بھاگتا ہوا میرے پاس آئے گا۔ اس کے جسم پر لال کرتا ہوگا اور سر پر لال پگڑی ہوگی۔ وہ کہے گا "ارے واہ! یہی تو میں ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ فوراً سو روپے دے کر ساری بکریاں خرید لے گا۔ اس طرح میرے پاس بیس روپے سے سو روپے ہوجائیں گے۔ میں اب چین سے نہ بیٹھوں گا اور ان روپیوں سے ایک لال ریشمی کوٹ خریدوں گا یا پھر ایک خوب صورت اور مضبوط پلنگ خریدوں گا۔ مگر نہیں میں اپنا روپیہ ایسے برباد نہ کروں گا۔ میں اس رقم سے دو گائیں خریدوں گا۔ پھر ان کے بچھیاں پیدا ہوں گی۔ رفتہ رفتہ یہی بچھیاں بڑی ہوکر گائیں بن جائیں گی۔

اس طرح میرے پاس بہت سی گائیں اور بچھیاں ہوجائیں گی۔ گائیں بہت سا دودھ دیں گی، میں اس دودھ سے پریشان ہوجاؤں گا کہ اتنے ڈھیر دودھ کا کیا کروں؟ لیکن اچانک میرے ذہن میں ایک ترکیب آئے گی اور میں دودھ، دہی اور گھی کا بیوپار کروں گا۔ اس کے بعد میں ایک دکان کھولوں گا اور دکان میں گلاب جامن، برفی اور رس گلے بنا کر مٹھائیوں کے ڈھیر لگا دوں گا۔ مجھے اب آواز لگانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور ہر روز میری دکان پر گاہکوں کی بھیڑ لگی رہے گی۔ بچے جو میری دکان پر دوڑتے ہوئے مٹھائی لینے آئیں گے ان کے ہاتھوں میں چاندی کے چمکتے ہوئے سکے ہوں گے۔ میری مٹھائیاں دیکھ کر ان سب کی رال ٹپکنے لگے گی۔ رفتہ رفتہ میری دکان پر اتنے لوگ آئیں گے کہ خریداروں کی بھیڑ لگ جائے گی۔

میرا کاروبار خوب ترقی پائے گا اور میں روز بروز دولت مند ہوتا چلا جاؤں گا۔ میرے پاس روپیوں کا ڈھیر لگ جائے گا۔ روپیہ ہی روپیہ! لیکن میں اتنے رپویوں کا کیا کروں گا؟ ہاں یہ ٹھیک ہے، میں ان روپیوں سے ایک ہاتھی خریدوں گا یا ایک مندر بنوا دوں گا۔ نہیں نہیں، ان سب چیزوں کی ضرورت

نہیں۔ یہ کام تو دوسرے لوگ بھی کر سکتے ہیں اور ان چیزوں سے فائدہ بھی کیا ہے۔ میں اس رقم سے ہیرے جواہرات خریدوں گا۔ پھر ہیرے جواہرات کا کاروبار کروں گا۔ اس کے بعد ایک روز خوب صورت نیلا کوٹ اور ایک اچھی قسم کی پگڑی پہن کر راجا کے پاس جاؤں گا۔

''مہاراج!'' میں باادب کھڑے ہو کر ان سے کہوں گا ''میں آپ کے لیے ہیرے، پنے اور موتی لایا ہوں۔ یہ جواہرات قیمتی اور اعلیٰ درجے کے ہیں۔''

راجا خوش ہو کر کہے گا ''مجھے تو اپنی رانی کے لیے یہی ہیرے جواہرات چاہیے تھے۔ اس کے بعد تو ہیرے، موتی اور پنے کا، کاروبار بڑھتا جائے گا اور میں دنیا کا سب سے دولت مند شخص بن جاؤں گا۔ اتنی دولت میرے علاوہ اور کسی کے پاس نہ ہوگی۔ پھر میں ایک عالیشان اور بہت بڑا سا محل بنواؤں گا۔ اس کے چاروں طرف ہریالی ہوگی اور میدان ہوں گے۔ میں آم کے بڑے بڑے باغ لگواؤں گا۔ ان باغوں میں گلاب کے پھولوں کی کیاریاں بھی ہوں گی۔ خوب صورت تالاب ہوں گے اور ان تالابوں میں لال، نیلے اور پیلے کنول کھلے ہوں گے اور ان کے آس پاس خوب صورت ہنس تیرتے ہوں گے۔ پھر بہت سے دولت مند اور پیسے والے لوگ میرے محل میں آئیں گے اور اصرار کر کے کہیں گے کہ ہماری بیٹی سے شادی کر لو لیکن میں انکار کر دوں گا۔ پھر ایک روز راجا اپنی راجکماری کا رشتہ لے کر میرے پاس آئے گا۔ میں اس رشتہ پر 'ہاں' کہہ دوں گا۔ اس طرح لمبے لمبے سنہری بالوں اور خوب صورت آنکھوں والی راجکماری سے میری شادی ہو جائے گی۔

کچھ دنوں بعد میرے یہاں ایک لڑکے کی پیدائش ہوگی، پھر دوسرا لڑکا، اس کے بعد ایک لڑکی۔ میں باغ میں بیٹھ کر اپنے بچوں کے ساتھ کھیلا کروں گا۔ جب میں آرام کرنے جاؤں گا تو اپنی بیوی سے کہوں گا ''اب تم بچوں کو کھلاؤ!'' مگر میری بیوی گھریلو کاموں میں لگی ہوگی یا ایک رانی کی طرح آرام کر رہی ہوگی۔ اس لیے بچے میرے پیچھے پیچھے چلے آئیں گے۔ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگے گی۔ میں انھیں چلا کر اور ڈانٹ کر بھگاؤں گا لیکن کیا کروں بچے تو بچے ہی ہوتے ہیں وہ مجھے اور زیادہ پریشان کریں گے۔ اس بات پر مجھے بہت غصہ آئے گا۔ میں ایک چھڑی اٹھاؤں گا اور انھیں پیٹتے ہوئے کہوں گا: ''بدمعاشو! ٹھہرو تو سہی، میں ابھی تم کو ٹھیک کرتا ہوں۔''

یہ سوچتے ہوئے برہمن نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا کہ بچوں کو ڈنڈے سے مارے لیکن وہاں بچے کہاں؟ موٹا ڈنڈا کھٹ سے چھینکے پر لٹکتی ہوئی ہانڈی پر لگا اور ہانڈی دھم سے زمین پر آ گئی اور گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ ہانڈی گرنے کی آواز سن کر برہمن چونک کر بولا ''یہ کیسی عجیب آواز ہے؟''

اس نے گھبرا کے اٹھ کر دیکھا تو نہ کہیں بچے تھے، نہ راجکماری اور نہ ہانڈی!

اس کے سامنے صرف اس کی ٹوٹی ہوئی ہانڈی کے ٹکڑے پڑے تھے اور چاروں طرف آٹا بکھرا ہوا تھا۔

■

Dr. Mohd Athar Masood Khan
Ghaus Manzil, Talab Mulla Iram
Rampur - 244901 (UP)

کہانی

اردو میرے گھر میں...

"ٹھک...ٹھک...ٹھک!!!" ماں کے کانوں میں آواز آئی۔

"دیکھو بیٹا! باہر کوئی دستک دے رہا ہے!"

"اچھا ممی!"

"ممی! میں نے کئی بار کہا ہے نا، آپ ڈور بیل لگوا دیں!"

ماں نے جاوید کے احساس کو سمجھا۔ کہنے لگیں "اچھا بیٹا! کل ہی تمھارے ابو جان سے کہہ کر لگوا دوں گی!"

جاوید خوش ہو گیا۔

دروازہ کھول کر دیکھا تو اس کا کلاس فیلو امجد تھا۔

"آؤ امجد... کیسے آنا ہوا؟"

"دوست! ایک 'گفٹ' دینے آیا ہوں!"

"ارے! یہ کیسا گفٹ ہے؟" جاوید نے پوچھا۔

امجد نے کہا۔ "تم ہی کھول کر دیکھ لو نا!"

اب جاوید نے خوش ہوتے ہوئے گفٹ پیک کو کھولا۔

اس میں 'خوش آمدید' کی گولڈن تختی تھی۔

"واہ! مگر اس میں لکھا ہوا کیا ہے؟"

ایم رحمان

ایم رحمان اردو کے معروف افسانہ نگار ہیں۔ صلیب نیم شب، ڈوبتے لمحوں کا سفر ان کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔ بڑوں کے ساتھ ساتھ بچوں کے لیے بھی انھوں نے کہانیاں لکھی ہیں۔ 'کھلونا'، 'نور'، 'بتول'، 'بچوں کی دنیا'، 'امنگ' وغیرہ میں ان کی کہانیاں چھپتی رہی ہیں اور ادب اطفال میں ان کی اپنی ایک پہچان بھی ہے۔ تبصرے اور خطوط بھی بیشتر اخبارات و رسائل میں چھپتے رہے ہیں۔ انھیں اردو تنظیموں اور اداروں نے اعزازات سے بھی نوازا ہے۔

''کیا جاوید تمھیں اردو پڑھنی نہیں آتی؟''

''نہیں میرے دوست! مجھے کبھی گھر والوں نے اردو کے بارے میں کچھ بتایا ہی نہیں، تو بھلا میں کیسے پڑھتا؟ اب تم ہی بتاؤ کہ اس میں میرا کیا قصور ہے؟''

''ہاں!''

اسی دوران جاوید کے پاپا بھی آ گئے۔ پوچھنے لگے کہ ''بیٹا تمہارا کیا نام ہے؟''

''امجد!''

''ہاں بیٹے! یہ تو 'خوش آمدید' کی تختی ہے۔ (یعنی آنے کی خوشی) بہت خوب صورت ہے!''

''واہ انکل! آپ نے تو اسے دیکھتے ہی پڑھ لیا!''

''کیوں نہیں!'' جاوید کے پاپا نے کہا۔ ''ہاں جب میرے والدین نے مجھے مدرسہ بھیجنا شروع کیا تو رفتہ رفتہ اردو، عربی اور فارسی زبان سے بھی واقف ہو گیا!''

''مگر انکل! ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ جاوید کو آپ نے اردو پڑھنا کیوں نہیں سکھایا؟''

تھوڑی دیر وہ خاموش رہے پھر سوچ کر کہنے لگے۔

''واقعی میں نے بہت بڑا جرم کیا ہے!''

''نہیں انکل! بات یہ ہے کہ اردو زبان سے دوری بنائے رکھنے کا یہ سب نتیجہ سامنے آیا ہے۔ آج تک جاوید اپنی مادری زبان کو سمجھ نہ پایا!''

''امجد میاں! تم نے سچ ہی کہا ہے!''

''انکل! ایک بات اور کہوں؟''

''کیوں نہیں!''

''آپ کے گھر کے دروازے پر ویلکم کی تختی ہے، اسے ہٹا کر نئی تختی 'خوش آمدید' کی لگا دوں؟''

''یہ تو اور اچھی بات ہوئی!''

جاوید بھی ان لوگوں کی باتوں کو بڑے غور سے سن رہا تھا۔

پھر امجد نے یوں بات بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو نا! میرے

پاپا نے ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' بھی میرے نام جاری کرادیا ہے۔ سال میں صرف سو روپے بھیجنے پڑتے ہیں اور بارہ شمارے ہمارے گھر پہنچ جاتے ہیں۔ ہاں! میں کل تمھیں 'بچوں کی دنیا' لاکر دکھاؤں گا۔ اچھا اب میں اپنے گھر چلتا ہوں۔ دیر ہوگئی ہے، گھر میں ممی انتظار کررہی ہوں گی۔ اللہ حافظ!''

''اوکے!'' جاوید نے کہا۔ ''مگر یہ تو بتا کر جاؤ کہ کل کس وقت آؤ گے؟''

''شام کے پانچ بجے!'' امجد نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں انتظار کروں گا تمھارا!''

دوسرے دن امجد ٹھیک معین وقت پر اس کے گھر پہنچ گیا۔ اب دروازے پر دستک دینے کے لیے ٹھک...ٹھک... ٹھک... کرنے کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ اب جاوید کی ممی نے ڈور بیل لگوادی تھی۔

بیل دباتے ہی جاوید نے دروازہ کھولا۔

''ارے دوست امجد! آؤ نا اندر!''

اس نے 'بچوں کی دنیا' کی ایک کاپی دکھائی۔

جاوید نے کہا ''یہ تو بہت خوب صورت ہے۔ طرح طرح کی تصویریں بھی ہیں۔ واہ!''

اب امجد شہد کی مکھی والی کہانی سنانے لگا۔

''تم جانتے ہو جاوید کہ شہد کیسے تیار ہوتا ہے۔ ان مکھیوں کا اپنا اپنا کام ہے۔ اس کے استعمال سے کیا کیا فائدے ہوتے ہیں۔ ہاں 'کورونا' کے دور میں 'امیونٹی' بڑھانے کے لیے شہد کس قدر مفید ہے۔ امیونٹی بڑھانے کے لیے سب سے بہتر طریقہ ہے!''

جاوید کے پاپا بھی دفتر سے گھر پہنچ چکے تھے۔ پاپا نے جاوید سے کہا کہ وہ اپنی ممی کو آواز دے۔

کچن سے آواز آئی۔ ''بس آتی ہوں!'' ممی آکر صوفے کے ایک کونے میں بیٹھ گئیں۔ ''کیا بات ہے؟''

جاوید کے پاپا نے کہا۔ ''آج مجھے احساس ہوا کہ واقعی میں نے جاوید کے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا ہے!''

''میں سمجھی نہیں؟ کیا کوئی بات ہوگئی؟ کیا کسی نے کوئی شکایت کی ہے؟''

''ایسا کچھ نہیں ہے۔ تم ہی دیکھو نا! امجد 'اردو' کس فراٹے سے پڑھتا ہے!''

جاوید کی ممی نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ ''ہاں میں نے بھی تو یہی کہا تھا کہ اسے شعور آتے ہی اردو کی تعلیم ضرور دلوائیں۔ پتہ ہے آپ نے کیا کہا تھا۔ انگریزی میڈیم میں پڑھنے والا بچہ 'اردو' کی زبان سیکھ کر کیا کرے گا؟ تب مجھ سے اس موضوع پر بحث چھڑ گئی تھی!'' طول نہ دیتے ہوئے کہا۔ ''چلو صبح کا بھولا شام کو گھر لوٹ آئے تو اُسے بھولا نہیں کہتے۔ کل سے ہی اردو کے ٹیچر کو کہوں گا کہ اسے اُردو آکر پڑھائیں!''

جاوید خوشی سے جھوم اٹھا۔

آج جاوید کی ممی بھی خوش تھیں کہ اس کی مراد پوری ہونے والی ہے۔ ان کا بچہ بھی اردو سیکھ جائے گا۔

دوست ہو تو ایسا ہو، جس نے آکر جاوید کی زندگی میں مادری زبان کی تبلیغ کی۔ اب اسے کسی کے سامنے شرمندگی نہیں ہوگی...اور فخر سے کہے گا کہ...'اردو میرے گھر میں'...آئی!

■

M. Rahman
160, Ghalib Apartment,
Parwana Road, Pitampura,
Delhi - 110034
Mobile: 9899934038

کہانی

ہمدردی

محمد اسلم تنویر

عابد کی اپنی خود کی ایک بہت بڑی فیکٹری تھی۔ جہاں اس کے ہاتھ کے نیچے ہزاروں ورکرس کام کیا کرتے تھے۔ اتنی بڑی فیکٹری کا مالک ہونے کے بعد بھی اس کے اندر ذرہ برابر بھی گھمنڈ اور تکبر نہیں تھا۔ وہ اپنے کاریگروں کے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آتا۔ جہاں تک ممکن ہوتا وہ اپنے کاریگروں کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا۔ کاریگر بھی اس کے حسن سلوک سے بہت خوش تھے۔ کسی بھی کاریگر کو جب بھی روپے پیسے کی تنگی ہوتی تو وہ اپنے مالک عابد کے پاس جا کر اپنا دکھڑا سناتا۔ عابد کاریگروں کی باتوں کو توجہ کے ساتھ سنتا اور ان کی جائز ضروریات کو پورا کرنے کی پوری کوشش کرتا۔ عابد کی اس نرم دلی کی وجہ سے کاریگر بھی فیکٹری میں دن رات خوب دل لگا کر کام کیا کرتے تھے۔ عابد غریب اور مظلوموں کی مدد کے لیے ہمیشہ آگے آیا کرتا تھا۔ اسی لیے شاید اللہ نے اسے اس دنیا میں عزت، دولت شہرت سے نوازا تھا۔

فیکٹری سے گھر جاتے وقت وہ کچھ روپے جیب میں رکھ کر گورنمنٹ اسپتال کے باہر کھڑا ہو جاتا اور ضرورت مندوں کی اس طرح مدد کرتا کہ کبھی کبھی تو ضرورتمندوں کو سمجھ میں بھی نہیں آتا کہ ان کی مدد کس نے کی۔ وہ کیش کاؤنٹر پر کھڑا ہو جاتا اور کسی ضرورت مند کے پاس پیسے کم ہوں تو وہ چپ چاپ کیش کاؤنٹر پر لوگوں سے نظر بچا کر اس ضرورت مند کے پیسے جمع کر کے وہاں سے دھیرے سے ہٹ جاتا۔ کبھی گورنمنٹ ہاسپٹل کے باہر کے میڈیکل پہ کھڑا ہو جاتا اور کوئی ضرورت مند میڈیکل میں دوا لینے آتا اور اس کے پاس پیسے کم ہوتے تو اس کی مدد کر دیتا۔

لوگوں کی مدد کر کے اسے بہت سکون ملتا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ روپئے پیسے اس کے کسی کام کے نہیں ہیں۔ اگر کل آخرت میں کچھ کام آئے گا تو وہ ہے اس کا عمل۔ لوگوں کی مدد کرنا اس کا روز کا معمول بن گیا تھا۔

ایک دن وہ صبح تیار ہو کر فیکٹری پہنچا، فیکٹری کا جائزہ لیا۔ مالک کو دیکھ کر سبھی کاریگروں نے عزت سے سلام کیا اور خوشی کا اظہار کیا۔ کاریگروں کو خوش دیکھ کر عابد بھی بہت خوش ہوا کیونکہ کاریگروں کی خوشی میں ہی اس کی خوشی تھی۔ فیکٹری کا

جائزہ لینے کے بعد وہ اپنے کیبن میں جا کر بیٹھا چائے کی چسکیاں لے ہی رہا تھا کی فیکٹری میں سے شور شرابے کی آوازیں آنے لگیں، ہارون بھائی کے ساتھ حادثہ ہوگیا۔ وہ جلدی سے اپنے کیبن سے باہر نکلا اور اپنے لمبے لمبے قدم بڑھاتے ہوئے فیکٹری میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ ایک عمر دراز کاریگر جس کا نام ہارون تھا، ان کا ہاتھ مشین میں آکر کندھے سے الگ ہو گیا ہے اور وہ خون میں لت پت پڑا ہے۔ انھیں وہاں سے فوراً سپتال پہنچایا گیا ہارون کو اسپتال پہنچانے کے بعد عابد نے باقی کاریگروں سے حادثے کی وجہ پوچھی تو پتا چلا کہ اس کی اپنی خود کی لاپروائی کی وجہ سے یہ حادثہ ہوا ہے۔ عابد حادثے کی وجہ جاننے کے بعد سیدھا فیکٹری سے اسپتال پہنچا وہاں پہنچ کر اس نے ہارون کا پورا علاج کرایا۔

تھوڑی دیر میں وہاں حادثے کی وجہ جاننے کے لیے پولیس بھی پہنچ گئی جب ہارون کو تھوڑا ہوش آیا تو پولیس انسپکٹر نے ہارون سے حادثے کی وجہ پوچھی تو ہارون نے بتایا کی یہ اس کی اپنی ہی لاپروائی کی وجہ سے ہوا ہے۔ پولیس ہارون کا بیان لے کر وہاں سے چلی گئی۔

پولیس انسپکٹر کے جانے کے بعد کمپنی کے مالک عابد، ہارون کے پاس جا کر اسے دلاسا دیتے ہیں اور کہتے ہیں اب تمھیں کمپنی آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہر مہینے تمہارا معاوضہ تمھارے گھر پہنچ جایا کرے گا اور اب تمھاری ڈیوٹی تمھاری جگہ تمھارے لڑکے کو دی جاتی ہے۔ اگر وہ تیار ہو تو۔ ہارون جو اپنا ایک ہاتھ کھو چکا تھا۔ اپنے مالک کی بات سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں اور اپنے مالک کی عزت اس کے دل میں اور بڑھ جاتی ہے۔

عابد ہر روز ہارون کی عیادت کے لیے آتا اور کافی وقت اس کے ساتھ گزارتا اور اسپتال میں ضرورت مندوں کی مدد بھی کرتا۔ ابھی وہ اسپتال میں کھڑا ضرورتمندوں کو ڈھونڈ رہا تھا تبھی ایک ایکسیڈنٹل کیس وہاں پر آیا لوگوں نے بتایا وہ ایک عورت ہے۔ کوئی گاڑی والا اس کو ٹکر مار کر نکل گیا باہر سڑک پر زخمی حالت میں پڑی تھی۔ لوگ اسے اٹھا کر اسپتال میں لے آئے اس کا بہت خون بھی بہہ چکا ہے۔ ڈاکٹر اسے فوراً آپریشن تھیٹر میں لے کر چلے گئے۔ اس کی مرہم پٹی کی، انجکشن لگایا، خون زیادہ نکل جانے سے اسے ہوش نہیں آ رہا تھا۔ اسے خون کی بہت سخت ضرورت تھی اس کا بلڈ گروپ چیک کروایا۔ اس کا بلڈ گروپ او پوزیٹو تھا۔ اسپتال اور بلڈ بینک میں او پوزیٹو خون موجود نہیں تھا ٹائم پر خون نہ ملنے سے اس عورت کی جان بھی جا سکتی تھی۔ ڈاکٹر پریشان اسپتال میں خون کے لیے فکر مند تھے۔

عابد کو جیسے ہی پتہ چلا کہ اس عورت کو خون کی ضرورت ہے اور اسے او پوزیٹیو خون نہیں مل رہا ہے۔ تو وہ اس کی مدد کے لیے آگے آیا اور ڈاکٹر سے مخاطب ہو کر بولا ڈاکٹر صاحب میرا بلڈ گروپ بھی او پوزیٹیو ہے۔ اگر آپ چاہیں تو میرا خون لے سکتے ہیں۔ میرے خون دینے سے اگر اس عورت کی جان بچ جاتی ہے تو میں اپنے آپ کو بہت خوش نصیب سمجھوں گا۔ ڈاکٹر نے عابد کا خون اس عورت کو چڑھانا شروع کیا۔ خون چڑھنے کے بعد اس عورت کی حالت میں سدھار آنے لگا۔ ڈاکٹروں نے عابد کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے ایک انجان عورت کی جان بچائی، ڈاکٹروں کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ عورت کون ہے کہاں رہتی ہے۔ جب اس عورت میں تھوڑا سدھار آیا اور اسے ہوش آیا تو اس نے ڈاکٹروں کو بتایا کی وہ اسی اسپتال میں ہارون کو دیکھنے آرہی تھی جو ان کی فیکٹری میں کام کرتا تھا اور کسی حادثے میں اپنا ایک ہاتھ گنوا بیٹھا تھا۔ لیکن اسپتال کے باہر ایک تیز رفتار ٹرک مجھے ٹکر مارتا ہوا نکل گیا۔ اور جب مجھے ہوش آیا تو میں یہاں اسپتال میں تھی۔

ڈاکٹروں نے اس عورت کی باتیں اطمینان سے سنیں۔ اس کے بعد اس سے پوچھا کہ کیا آپ عابد صاحب کی بیوی ہیں؟ اس نے کہا ہاں میں عابد صاحب کی بیوی ہوں۔

ڈاکٹروں نے بتایا کی ایکسیڈنٹ ہونے کی وجہ سے آپ کا کافی خون بہہ چکا تھا۔ اور آپ کا بلڈ گروپ والا خون بھی کہیں نہیں مل رہا تھا جیسے ہی یہ بات عابد صاحب کو پتہ چلی اور پوزیٹیو خون کی کسی کو ضرورت ہے اور خون نہیں مل پا رہا ہے۔ تو انھوں نے آپ کو اپنا خون دیا اور آپ کی جان بچائی انھیں تو اس بات کا علم بھی نہیں تھا کی آپ ان کی بیوی ہیں اور یہاں اس حال میں پڑی ہیں۔

ڈاکٹروں نے عابد کی بیوی کو بتایا کی وہ روز یہاں آتے ہیں اور جہاں تک ہوسکتا ہے لوگوں کی مدد کرتے ہیں مدد کرتے وقت وہ یہ نہیں دیکھتے کی سامنے والا ہندو ہے یا مسلم ضرورت مندوں کی مدد کرنا انھیں بہت اچھا لگتا تھا جو آدمی لوگوں کا اچھا سوچتا ہو اور لوگوں کی دعائیں اس کے ساتھ ہوں اوپر والا بھی اس کے ساتھ برا نہیں کرسکتا۔ ڈاکٹروں نے عابد کی بیوی کو بتایا کہ یہ عابد صاحب کے نیک اعمال ہیں اور ان غریبوں کی دعائیں ہیں کی آج آپ زندہ ہیں۔

■

Mohd Aslam Tanveer
Salma Manzil, Lala Madarsa
Warispura, Kamptee- 441001
Distt.: Nagpur (Maharashtra)
Mob.: 9370033164

بندر کا سردار

محمد گلزار عالم

"**زبادیہ !** کیا کر رہے ہو تم وہاں؟"

زہیر کے رونے کی آواز سن کر زبادیہ کی امی نے باورچی خانہ سے ہی آواز لگائی۔

کچھ نہیں امی ! زہیر کو سیڑھی پر چڑھانا سکھا رہا تھا۔آدھی سیڑھی چڑھ کر وہ ڈر سے رونے لگا۔

اس کی بات سن کر امی دوڑی ہوئی آئیں اور اپنے لخت جگر جس کی عمر تقریباً ڈھائی سال تھی، سیڑھی سے نیچے اتارا۔

ماں کے ہاتھوں میں آتے ہی وہ ان کے گلے سے لپٹ گیا۔

ماں کی آغوش میں کچھ دیر رہنے کے بعد جب ہوش سنبھلا تو امی سے مخاطب ہو کر اپنی میٹھی آواز میں بولنا شروع کیا۔

"امی! بھائی جان مجھے سیڑھی پر چڑھا کر خود سیڑھی کو نیچے سے ہلا رہے تھے۔"

"مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا۔اگر میں گر جاتا تو میرے پیٹ میں موچ آجاتی"

"پیٹ میں موچ آجاتی؟" امی نے حیرت سے اپنے ننھے لاڈلے سے پوچھا۔

زہیر نے بڑی ہی معصومیت سے جواب دیا،"ہاں امی!"

زہیر کی بات سن کر انھیں ہنسی تو آئی مگر اپنی ہنسی کو ضبط کرتے ہوئے زبادیہ کو گھور کر دیکھا اور بولیں۔

"کم بخت اگر زہیر نیچے گر جاتا تو کتنی بڑی مصیبت آجاتی، تمھیں میں نے اسے کھلانے کے لیے کہا تھا، اور تم اسے سیڑھی چڑھانے میں لگ گئے اگر میرا لاڈلا گر جاتا تو...؟"

امی نے زبادیہ کو ڈانٹتے ہوئے کہا" بہت زیادہ شرارتی ہو گئے ہو تم۔تمھاری یہ شرارتیں بالکل بندروں سے ملتی جلتی ہیں، ایسا لگتا ہے جیسے تم بندروں کے سردار ہو۔"

یہ کہہ کر امی پھر سے باورچی خانے میں چلی گئیں۔

ادھر زبادیہ بڑا خوش ہوا کہ اس کی امی نے اسے سردار کہا۔

"دیکھا بیوقوف! امی نے مجھے بندروں کا سردار کہا" زبادیہ اپنے چھوٹے بھائی کو مخاطب کر کے بولا۔"

وہ خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔دوڑ کر اپنی منجھلی امی کے پاس گیا، جو اس وقت کپڑے دھونے میں مصروف تھیں۔

''منجھلی امی! میں بندروں کا سردار ہوں، امی نے مجھے بندروں کا سردار کہا ہے۔''

منجھلی امی نے بھی اس وقت اپنی جان بچانے کے لیے کہہ دیا کہ ''ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے تمھاری امی، تم ہو ہی بندر کے سردار۔''

منجھلی امی سے بھی اس طرح کے الفاظ سن کر اسے یقین ہو گیا کہ سچ مچ وہ بندر کا سردار ہی ہے۔

اب وہ سینہ تان کر، سرداروں والی چال کی نقل کرتے ہوئے۔ اِدھر اُدھر چکر کاٹنے لگا۔ وہ اپنے عمل سے یہ ثابت کر نے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسے جو خطاب امی کے ذریعہ دیا گیا ہے وہ صد فیصد درست ہے۔

اب اسے انتظار تھا اپنی آسیہ آپی کا جو اس وقت اسکول گئی تھی۔ اب اس کے آنے کا وقت ہو رہا تھا۔

اس لیے زبادیہ کبھی دوڑ کر بالکونی کی طرف جاتا کبھی کمرے میں آ کر گھڑی دیکھتا۔

اسکول بس کی آواز سن کر وہ دوڑتا ہوا بالکونی پر آیا۔

آسیہ آپی ایک بھاری اسکول بیگ پیٹھ پر لادے بس سے نیچے اتری،

آپی آ گئی، آپی آ گئی، زبادیہ زور زور سے چلانے لگا۔

اس کے چلانے کی آواز سن کر آپی کی امی یعنی زبادیہ کی منجھلی امی بولی، تو آج نیا کیا ہے وہ تو روزانہ اسکول سے آتی ہے۔

آپا بوجھل قدموں سے اندر داخل ہوئی، بیگ کو ایک کنارے رکھا اور مزاج کی سستی دور کرنے کے لیے زبادیہ سے ایک گلاس پانی مانگا۔

زبادیہ شرارتی ضرور تھا، لیکن اپنے بڑوں کا حکم فوراً بجا لاتا تھا۔

فلٹر سے ایک شیشہ کے گلاس میں پانی بھر کر آپی کو پیش کیا، آپی کے پانی پی لینے کے بعد وہ ان کی پیٹھ پر پیچھے سے لد گیا، اور شاہانہ انداز میں کہنا شروع کیا۔

''آپی جانتی ہو! آج امی نے مجھے بندر کا سردار کہا، منجھلی امی نے بھی مجھے یقین دلایا کہ میں بندر کا سردار ہوں۔''

اس کی معصومیت اور بھولے پن سے بھرپور باتیں سن کر آپی بے ساختہ ہنس پڑی۔

''ارے بدھو! جانتے ہو بندر کسے کہا جاتا ہے؟ یہ کس مخلوق کا نام ہے؟ کبھی بندر دیکھا ہے تم نے؟'' آپی نے پے در پے کئی سوال اس سے کر ڈالے۔

''نہیں آپی!'' زبادیہ نے معصومیت سے جواب دیا۔

''بندر چار پیروں والی ایک مخلوق کا نام ہے، جس کے پیچھے ایک دم ہوتی ہے۔ شکل انسانوں سے کچھ ملتی جلتی ہے لیکن اپنی شرارتوں کے لیے مشہور ہے۔''

بندر کی شکل و شباہت آپی کی زبانی سن کر زبادیہ رونے لگا اور آپی سے کہا ''آپ کچھ بھی بولو میں بندر کا سردار ہی ہوں۔''

ہچکیاں لینے میں وہ ماہر تھا، اس کی ہچکیوں سے پگھل کر آپی بولی ''ٹھیک ہے تو بندر کا سردار ہی ہے۔ اب تو خوش ہو۔''

اسے چپ کرانے کی بدستور کوشش میں جب ناکام نظر آئی تو آپی بولی۔

''ارے نہیں پگلے، رومت چپ ہو جا، دیکھ میں تیرے لیے کیا لائی ہوں'' یہ کہتے ہوئے آپی نے اپنے اسکول بیگ سے چاکلیٹ کا ایک بڑا پیکٹ نکالا اور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی ''تمھارا پسندیدہ چاکلیٹ جسے تم شوق سے کھاتے ہو۔''

لیکن زبادیہ نے چاکلیٹ کا پیکٹ لینے سے انکار کر دیا، اور روتا رہا۔ اسے دیکھ کر آسیہ آپی کا دل بھی رونے لگا۔

آخر مجبور ہو کر آپی بولی۔

میرا پیارا زبادیہ سچ میں بندر کا سردار ہے، اس کے چہرے ہی سے اس کی سرداری جھلک رہی ہے، آج سے میرا دلارا بھائی بندر کا سردار ہی کہلائے گا، ممی دیکھو آج سے زبادیہ بندر کا سردار ہے، دیکھو اسد! ہمارا پیارا زبادیہ بندر کا سردار ہے، خبردار کوئی اسے کسی اور نام سے پکارا تو کنکھیوں سے اپنے چھوٹے بھائی اسد کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''چھوٹی امی! ہم لوگوں کا زبادیہ سردار بن چکا ہے اور وہ بھی بندر کا۔ دیکھیے تو اس کے سر پر پگڑی نہیں ہے، سردار کے سر پر تو پگڑی ہوتی ہے۔''

وہ فوراً اٹھ کر اپنے سفید دوپٹے سے اس کے سر پگڑی باندھنا شروع کر دیتی ہے۔

''پگلی کبھی میرا سر ادھر کبھی ادھر گھما رہی ہو، یہ میرا سر ہے گلوب نہیں'' زبادیہ نے شرارت بھرے انداز میں کہا۔

آپی نے بھی مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بولی ''میرا سردار بھائی بغیر پگڑی کے رہے، اچھا نہیں لگتا''

آسیہ آپی کی محبت اور شفقت سے بھرے ہاتھ پڑتے ہی اس کا بگڑا ہوا موڈ قدرے بہتر ہوا، اور چہرے پر تازگی سی آ گئی۔

زبادیہ پانچ سال کا ایک بڑا ہی پیارا اور خوبصورت بچہ تھا۔ ذہانت میں وہ بے مثال تھا۔ ماں باپ کے ساتھ وہ اپنے منجھلے ابو، منجھلی امی اور آسیہ آپی کی آنکھوں کا تارا تھا۔ منجھلے ابو بھی اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ زبادیہ تھوڑا شرارتی تھا جس کی وجہ سے اس کی امی نے اسے بندر کا سردار والا خطاب عطا کیا تھا۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی زہیر کو کہا کرتا دیکھ میں سردار ہوں ۔ میری باتیں ماننا۔ وہ بیچارہ بھی اپنے بڑے بھائی کو سردار تسلیم کر کے اس کے سامنے اپنا سر خم کر دیتا اور اس کی نت نئی شرارتوں میں اس کا معاون بنا رہتا۔ وہ بڑے بھائی کے ہر کام میں اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے مدد کرنے کی کوشش کرتا آخر سردار کی سرداری بھی تو برقرار رکھنی ضروری تھی۔

ایک دن زبادیہ کے بڑے ماموں اس کے گھر آنے والے تھے۔ زبادیہ کی امی نے جب اسے یہ خبر دی تو وہ پھولے نہیں سمایا۔ وجہ یہ تھی کہ زبادیہ کے لیے بڑے ماموں کا مطلب تھا کریڈٹ کارڈ۔ وہ اپنے ماموں سے نت نئی چیزوں کی فرمائشیں کرتا اور ماموں جان بھی بھانجے کی محبت میں اس کی ہر خواہش پر لبیک کہتے۔

''امی ماموں کب آئیں گے؟ بہت دیر ہو گئی ہے'' زبادیہ نے اپنی امی سے بیتابی سے پوچھا۔

''شاید ٹرین لیٹ ہے۔ آجائیں گے اطمینان رکھو''

دروازے پر گھنٹی بجتے ہی وہ اچھل کر امی کی گود سے الگ ہوا اور لپک کر دروازے کی طرف بڑھا۔

دروازہ کھولتے ہی سامنے بڑے ماموں دونوں ہاتھوں میں کھلونے اور چاکلیٹ کی پیکٹ لیے کھڑے نظر آئے۔

''السلام علیکم ماموں جان'' اس نے بڑے ادب کے ساتھ انہیں سلام کیا۔

''وعلیکم اسلام، کیسے ہو میاں؟'' ماموں نے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں ماموں جان، اللہ کا شکر ہے'' ماموں کے سوال کا جواب اس نے نہایت ادب اور قرینے سے دیا۔

ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر ماموں جان نے سفر کی تکان دور کرنے کے لیے آرام کرنے کی نیت سے جیسے ہی بستر پاؤں پھیلا کر چت ہونا چاہا۔ زبادیہ نے سوال کا پہلا گولہ داغ دیا۔

''ماموں باہر کب چلیں گے؟''

"ابھی بہت تھکا ہوا ہوں، تھوڑا آرام کرلوں، دھوپ بھی تیز ہے، سورج ڈھلنے کے بعد چلیں گے"

"ماموں! آپ کو پتہ ہے میں بندر کا سردار ہوں" وہ فخریہ انداز میں اپنے ماموں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ارے میرا بھانجا بندر کا سردار ہے! کس نے دیا تمھیں یہ خطاب؟" ماموں نے بھی حیرت اور شرارت بھرے انداز میں پوچھا۔

"آپ ہی کی لاڈلی بہن یعنی میری امی نے" وہ ماموں کو رشتہ کی پہچان کراتے ہوئے بولا۔ گویا وہ جتانا چاہ رہا تھا کہ وہ بھی رشتہ کی پہچان رکھتا ہے۔

"امی، منجھلی امی، اور آسیہ آپی بھی مجھے بندر کا سردار کہتی ہیں اور تو اور زہیر بھی مجھے اپنا سردار مانتا ہے۔"

"اچھا ایسی بات ہے! واہ تب کمال ہو گیا کہ اتنی کم عمری میں ہی تمہیں سرداری مل گئی۔"

جیسے ہی شام ہوئی زبادیہ نے ماموں کو یاد دلایا۔

"ماموں کب جائیں گے ہم لوگ باہر، اب تو شام بھی ہوگئی، آپ نے شام کا وعدہ کیا تھا۔ اپنا وعدہ وفا کیجیے۔"

ماموں اس کی زبان سے اتنا پیارا جملہ سن کر حیرت میں پڑ گئے، "وعدہ وفا کرنا" کتنا پیارا محاورہ ہے۔ وہ اس کی ذہانت سے بے حد متاثر ہوئے۔

زبادیہ کی امی کہنے لگی "بھیا! اس بندر کو کچھ نہیں دلائیے گا بازار سے، بندر ہے، ہر قیمتی چیز پل بھر میں توڑ پھوڑ کر برباد کر دیتا ہے"

اپنے لیے صرف بندر کا لفظ سن کر زبادیہ تلملا گیا وہ سوچنے لگا اگر امی اسی طرح سب کے سامنے مجھے صرف بندر کہیں گی تب تو میری سرداری چھن جائے گی، امی کی یاد دہانی کے لیے اس نے کہا۔

"امی! میں بندر نہیں بلکہ اس کا سردار ہوں۔ یاد کیجیے آپ ہی نے تو مجھے بندر کا سردار کہا تھا۔"

زبادیہ کے ساتھ ساتھ زہیر بھی خوش تھا کہ آج تو ماموں جان سے پورا بازار خرید لیں گے۔

آئس کریم کی دکان پر رک کر پہلے دونوں بھائیوں نے آئس کریم کا مزہ لیا، حلوائی کی دکان کے سامنے خوبصورت ٹیبل اور چیئر قرینے سے لگے تھے، وہاں بیٹھ کر دونوں نے رس ملائی کھائی، مونگ پھلی والے سے مونگ پھلی لی اور ایک دو ایک دو کر کے منہ میں ڈالتے ہوئے آگے کی طرف بڑھنے لگے۔ کھلونے کی دکان کے سامنے سے گذرتے ہوئے اچانک دونوں بھائیوں کے پاؤں اس طرح جم گئے جیسے کسی مقناطیسی قوت سے ان کے پاؤں چپک گئے ہوں۔ ماموں جان سمجھ گئے۔ بھانجوں کی محبت میں بٹوا کی پرواہ کیے بغیر ایک کو دونالی کھلونے والی بندوق اور دوسرے کو ایک بڑا سا ٹیڈی بیئر دلوائے۔ دونوں بھائی اپنے من پسند کھلونے پا کر بہت خوش ہوئے۔

گھر واپسی کے دوران راستے کے کنارے کچھ لوگوں کی بھیڑ ایک جگہ جمع تھی، بھیڑ دیکھ کر یہ لوگ بھی رک گئے، ایک مداری ڈگڈگی کی آواز پر بندر کا کھیل تماشہ دکھا رہا تھا، دیکھنے والے بندر اور بندریاں کی حرکت سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ماموں جان نے بھیڑ میں جگہ بنا کر دونوں کو سامنے کر دیا تا کہ یہ دونوں بھی اس کھیل تماشے کا بھر پور لطف اٹھا سکیں۔ بندر اور اس کی بندریا کی کرتب بازی اور شرارت سے بھر پور عمل سے خوش ہو کر دونوں بھائی زور زور سے تالیاں بجا رہے تھے کہ اچانک مداری کے ہاتھ سے بندر کا سرا چھوٹ گیا اور وہ موقع غنیمت جان کر وہاں سے بھاگا۔ ایک صاحب نماز کے لیے مسجد جا رہے تھے ان کی ٹوپی اچک لی، سامنے کیلے والے

کی دکان سے دو چار کیلے لے کر بھاگا، ٹھیلہ پر پکوڑی بیچنے والے کے ٹھیلے پر اچھل کر اس طرح بیٹھا کہ کڑاہی میں موجود گرم گرم تیل الٹ کر زمین میں بہہ گیا۔ اس کی شرارتوں سے پریشان ہوکر وہاں موجود لوگ اسے پکڑنے کے لیے دوڑ پڑے۔ مگر وہ بھی چالاک تھا کسی کے ہاتھ نہیں آیا۔ آخر میں تھک ہار کر لوگ اور مداری اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ راہ چلتے ہوئے کسی شخص کی آواز زبادیہ کے کانوں سے ٹکرائی،

''بندر بندر ہی ہوتا ہے، یہ کبھی اپنی شرارتوں سے باز نہیں آسکتا، خدا خیر کرے کہ ٹھیلے والے کے پاس کوئی خریدار نہیں تھا نہیں تو آج اس بندر کی شرارت سے نہ جانے کیا آفت آجاتی''

زبادیہ کو اس اجنبی شخص کی باتیں کچھ عجب لگیں اور گھور کر اس شخص کو دیکھا، اور سوچنے لگا کہ میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کیا پھر یہ اجنبی مجھے کیوں الزام دے رہے ہیں۔

''ماموں! میں نے کیا کیا جو مجھے الزام دیتے ہوئے یہ شخص چلے گئے۔ وہ تیل کی کڑھائی تو اس جانور نے گرائی تھی میں نے تو نہیں''

زبادیہ نے غصے میں اپنے ماموں سے کہا۔

''ارے پگلے وہ تمھیں تھوڑے ہی نا کہہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بے شمار مخلوق پیدا کی ہیں ان میں سے بندر ایک ایسی مخلوق ہے جو اپنی شرارتوں کی وجہ سے بھی پہچانا جاتا ہے، انسان کو اللہ نے تمام مخلوق میں اعلیٰ اور اشرف بنایا ہے اس لیے انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ جب کوئی انسانی بچہ زیادہ شرارتیں کرنے لگتا ہے تو لوگ اس کی شرارتوں کی وجہ سے اس کا موازنہ بندر سے کرتے ہیں''

ماموں جان نے بے خیالی میں زبادیہ کے سامنے بندر کے تمام اوصاف کھول کر بیان کر دیے، انھیں ذرا بھی اس بات کا دھیان نہ رہا کہ ان کا بھانجا بندر کا سردار کہلانے میں فخر محسوس کرتا ہے۔

ماموں کی باتیں سن کر زبادیہ کے چہرے کا رنگ فق پڑ گیا اور چہرے پر اداسی کی لکیریں بکھر گئیں۔

بھانجے کا اداس چہرہ دیکھ کر ماموں جان اسے بہلانے کی کوشش کرنے لگے لیکن زبادیہ کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

بالکل خاموش اور اترے ہوئے چہرے کے ساتھ گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے سیدھے اپنی امی کے پاس پہنچا، امی کے بغل میں بیٹھ کر اداس لہجے میں کہا،

''امی میں بندر کا سردار نہیں ہوں''

''میں انسان ہوں، اللہ نے مجھے اشرف بنایا ہے، میرا موازنہ کسی جانور سے نہ کیجیے، آپ اپنی بات واپس لیجیے، آپ اپنی بات واپس لیجیے''

''اب میں کبھی شرارت نہیں کروں گا، آپ کی بات مانوں گا، بھائی کا بھی خیال رکھوں گا، کسی کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا''

اپنے لاڈلے کو اس طرح ہچکی لیتے دیکھ کر ماں کا دل بے چین ہو گیا اور انھوں نے کہا۔

''نہیں کون کہتا ہے میرا بیٹا ایسا ہے، میرا لعل تو ایک نیک اور سمجھدار بچہ ہے، وہ ایک شریف انسان ہے''

ماں کے تسلی والے الفاظ سے اس کے آنسو کی لڑیاں نکلنا بند ہوئیں۔

■

Md. Gulzar Alam
Rail Par, Jahangiri Mohalla
PO: Asansol
Distt: Burdwan (Paschim) - 713302 (W.B)
Mob.: 9749902012

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

- رسالے میں بچوں کے ادیبوں کے تعارف اور تصویر کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کے ادیبوں کی ڈائرکٹری ترتیب دینے والوں کو مدد مل سکے۔
- معلومات عامہ، صحت، زبان شناسی، تاریخ، تہذیب، سائنس و ٹیکنالوجی، جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اہم شخصیات سے متعلق تخلیقات ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔
- 'مستقبل کے قلمکار' عنوان کے تحت بچوں کی تحریروں کو خاص طور پر شائع کیا جائے گا۔
- بچوں کے ادیبوں کے انٹرویوز اور رسائل کے مدیران پر ایک سیریز شروع کی جائے گی۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3 ماہ) کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

——ادارہ

نایاب حسن

بچوں کے چند اہم اسپتال

صحت ہی زندگی ہے، یہ مہاتما گاندھی نے کہا تھا۔ کچھ اسی طرح کی بات اردو کے ایک شاعر نے بھی کہی ہے:

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک　　تندرستی ہزار نعمت ہے

صحت اور تندرستی زندگی کے لیے بہت لازمی ہیں۔ ذہنی صحت کے لیے جسمانی صحت کی ضرورت پڑتی ہے اسی لیے اگر شروع سے ہی صحت اور تندرستی کے تعلق سے لاپرواہی کے بجائے بیداری کا رویہ اختیار کیا جائے تو انسان بہت ساری بیماریوں سے بچ سکتا ہے۔ ہمارے عہد میں بچوں کی صحت ایک بڑا مسئلہ ہے، اس پر سنجیدگی سے توجہ دیے جانے کی ضرورت ہے۔ بچوں کی صحت کے تعلق سے 'بچوں کی دنیا' میں یہ کالم اس لیے شروع کیا گیا ہے تاکہ والدین کے ساتھ ساتھ بچے خود بھی اپنی صحت اور تندرستی کا خیال رکھ سکیں۔

ہندوستان عرصۂ قدیم سے طبی خصوصیات اور معالجاتی مہارتوں کے حوالے سے ممتاز رہا ہے۔ موجودہ دور میں بھی ہندوستان کا جدید طبی نظام اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے دنیا بھر کی توجہات کا مرکز ہے اور مختلف مہلک بیماریوں کے علاج کے لیے ملک کے مختلف حصوں میں کئی اہم اسپتال قائم ہیں، جہاں دنیا بھر سے مریض آتے ہیں اور کامیاب علاج کے بعد واپس جاتے ہیں۔ بڑوں کے ساتھ بچے بھی بہت سی عام و پیچیدہ بیماریوں میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ کچھ بیماریاں تو عام ہیں جو موسم کی تبدیلی وغیرہ سے بچوں کو لاحق ہو جاتی ہیں اور یہ ہر زمانے میں عام رہی ہیں، مگر آج کل چونکہ انسان مشینی زندگی جینے لگا ہے اور شب و روز کی بھاگ دوڑ میں کھانے پینے، سونے جاگنے اور ضروری امورِ زندگی کو برتنے میں لاپروائی کا مظاہرہ ایک عام بات ہے جس کا اثر والدین کے ساتھ بچوں پر بھی پڑتا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ جہاں

نوجوانوں اور بڑی عمر کے لوگوں میں مختلف قسم کی بیماریاں عام ہوتی جارہی ہیں، وہیں ہمارے دور کے بچے بھی محفوظ نہیں ہیں اور وہ بھی ابتدائی عمر سے ہی صحت کے مسائل سے دوچار ہوجاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ایسے درجنوں اسپتال موجود ہیں، جہاں صرف بچوں کا علاج کیا جاتا ہے یا کئی بڑے اسپتالوں میں بچوں کے علاج کا خاص شعبہ قائم ہے۔ ذیل میں ان میں سے چند کا تعارف اور ان کی خصوصیات کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

سرکاری نگرانی میں چلنے والا ایمس، نئی دہلی (آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنس) اس سلسلے میں سب سے نمایاں ہے، جہاں بچوں کے علاج معالجے کے لیے خاص شعبہ قائم کیا گیا ہے، اس کے تحت نومولود اور کم عمر بچوں کے تمام امراض کا خصوصی علاج کیا جاتا ہے۔ یہاں بچوں کے اہم امراض کے علاوہ تمام چھوٹے بڑے امراض کا علاج دستیاب ہے۔ یہاں بچوں کے علاج کے لیے ضرورت کے مطابق نئے ٹیکے بھی دیے جاتے ہیں، ہندوستان کی انگریزی میگزین 'دی ویک' نے اپنے ایک سروے میں اسے بچوں کا سب سے بہتر اسپتال قرار دیا ہے۔ سرکاری، کم خرچ والا اور قابل اعتماد اسپتال ہونے کی وجہ سے پورے ملک سے لوگ یہاں آتے ہیں۔

پوسٹ گریجویٹ انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل ایجوکیشن اینڈ ریسرچ (PGIMER) ایک قابل قدر طبی ادارہ ہے جو عالمی سطح پر ملٹی اسپیشلٹی علاج اور طبی نگہداشت کی فراہمی کے لیے مشہور ہے۔ اس اسپتال میں شعبۂ امراض اطفال کا افتتاح 1997 میں کیا گیا تھا اور اس کے بعد سے وہ امراض اطفال کے کامیاب علاج کے سلسلے میں کئی سنگ میل طے کرچکا ہے۔ یہاں تین سو بیڈ ہیں، بچوں کے مزاج کے مطابق ماحول فراہم کیا جاتا ہے، بچوں کے ہر مرض کا علاج مہیا کروایا جاتا ہے، یہ اسپتال سالانہ ایک ہزار بچوں کا علاج کرتا ہے، بچوں کے لیے چوبیس گھنٹے ایمرجنسی خدمات بھی دستیاب ہیں۔ یہ اسپتال چنڈی گڑھ (پنجاب) میں واقع ہے۔

کلاوتی سرن چلڈرن ہاسپٹل بچوں کا بڑا اسپتال ہے۔ یہ نئی دہلی میں واقع ہے۔ یہ سرکاری اسپتال ہے اور لیڈی ہارڈنگ میڈیکل کالج سے وابستگی رکھتا ہے۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے ایشیا میں اسے بچوں کے علاج کے لیے مقبولیت حاصل ہے۔ اس اسپتال میں بچوں سے متعلق ہر طرح کا علاج کیا جاتا ہے۔ یہاں 300 سے زیادہ بیڈ ہیں۔ ملک بھر سے مہلک اور خطرناک امراض کے شکار بچے یہاں علاج کے لیے آتے ہیں۔

دہلی کے سرگنگارام اسپتال کے شعبۂ امراض اطفال کو 2010 میں انسٹی ٹیوٹ آف چائلڈ ہیلتھ کے نام سے مستقل ادارے کی شکل دے دی گئی، جہاں پیدائش سے لے کر سولہ سال تک کے بچوں کی ہر بیماری کا علاج مہیا ہے۔ بچوں کی پیچیدہ ترین بیماریوں کا بھی یہاں علاج کیا جاتا ہے، ہائی ٹیک سہولتیں، بہترین انفرااسٹرکچر اور عمدہ انتظامات سے لیس ہے، ماہر ڈاکٹروں کی خدمات حاصل ہیں، عوام کو یہاں کی سہولیات سے واقف کرانے کے لیے موقع بہ موقع پروگرام بھی کیے جاتے ہیں۔

واڈیا اسپتال ممبئی ہندوستان کے قدیم ترین اسپتالوں میں سے ایک ہے، جس کی بنیاد 1928 میں پڑی تھی۔ یہ ہندوستان کا پہلا بچوں کا غیر سرکاری اسپتال ہے۔ یہاں مختلف معاشی بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھنے والے بچوں کا بہترین علاج کیا جاتا ہے۔ اس اسپتال میں تین سو بیڈ، ساٹھ ماہر ڈاکٹروں کی ٹیم ہے۔ یہاں سالانہ دس ہزار بچوں کا علاج کیا جاتا

ہے،علاج کے دوران بچوں کی ذہنی تفریح کا بھی خاص انتظام کیا جاتا ہے۔

چنئی اپولو چلڈرن اسپتال بھی بچوں کا ایک مشہور اور اہم اسپتال ہے۔ یہاں 80 بیڈ، 70 ماہرِ امراض اطفال ڈاکٹرز، 180 نرسیں اور انسولین پمپ کے لیے بچوں کا خاص کلینک دستیاب ہے۔ یہاں ہر قسم کے امراض اطفال کا علاج دستیاب ہے۔اپولو ہیلتھ سٹی حیدر آباد میں بھی بچوں کے خصوصی علاج کی سہولت فراہم ہے۔

حیدر آباد میں واقع رینبو چلڈرن ہاسپٹل اینڈ پیرینٹل سینٹر کو اس بنیادی نظریے کے ساتھ قائم کیا گیا ہے کہ بچوں کے کامیاب علاج معالجے کے لیے معالجین کو والدین کے نقطۂ نظر سے سوچنا چاہیے،اسی وجہ سے اس کے نام میں ''پیرینٹل'' کا لفظ بھی شامل کیا گیا ہے۔اسی نصب العین کے ساتھ اس اسپتال میں بچوں کے تمام امراض کا علاج فراہم کیا جاتا ہے۔حیدر آباد کے پانچ مختلف مقامات (بنجارہ ہلس ،وجے واڑہ، وکرم پوری، کونداپور، مادھاپور) پر اس کے کیمپسز ہیں، جن میں مجموعی طور پر پانچ سو بیڈ کی گنجائش ہے۔ جدید ترین طریقہ ہائے علاج سے لیس اس اسپتال میں چوبیس گھنٹے ایمرجنسی خدمات بھی موجود ہیں۔ یہاں سالانہ بارہ ہزار مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے،'دی ویک' میگزین نے مسلسل تین سال تک اسے ٹاپ پانچ اسپتالوں میں شامل کیا ہے۔

اندر پرستھ اپولو اسپتال دہلی 710 بیڈ والا ملٹی اسپیشلٹی اسپتال ہے۔اپولو گروپ کے زیر انتظام ہے۔اس اسپتال کے شعبۂ اطفال میں بچوں کے جگر، گردہ، ہڈی اور دل کے امراض کے علاوہ مختلف پیچیدہ بیماریوں کے ماہرین بھی برسرِ خدمات ہیں۔ یہ پہلا طبی ادارہ ہے جسے جوائنٹ کمیشن انٹرنیشنل (امریکہ) چار مرتبہ اپنی تصدیق وتوصیف سے نواز چکا ہے۔

اس کی لیباریٹریز نیشنل ایکریڈیشن بورڈ برائے لیبارٹریز (NABL) کے ذریعے منظور شدہ ہیں۔-THE WEEK- AC Nielson کے سروے میں اسے ملک کے پانچ سب سے اچھے اسپتالوں میں شامل کیا گیا ہے۔اس کا ایڈوانس پیڈیاٹرکس سینٹر پورے ملک میں ایک نمبر پر ہے، ہارٹ سرجری اور بچوں کے کینسر کے علاج کے لیے بھی یہاں ماہر ڈاکٹرز کی خدمات دستیاب ہیں۔

مدر ہوڈ اسپتال، بنگلور خواتین اور بچوں کے امراض کے علاج کے لیے وقف ہسپتالوں کا ایک سلسلہ ہے۔ جدید انفراسٹرکچر اور جدید طبی سہولیات کی وجہ سے یہاں لوگوں کا عام رجوع ہے۔تربیت یافتہ اور امراض اطفال وخواتین کے ماہر ڈاکٹرز یہاں خدمات انجام دیتے ہیں۔یہاں بچوں کی پیدائشی بیماریوں کے علاج اور حسب ضرورت آپریشن کا خصوصی انتظام ہے۔نئے پیدا ہونے والے بچوں کی سرکاری ہدایات کے مطابق ٹیکہ کاری کی بھی سہولت ہے۔ چوبیس گھنٹے ایمرجنسی خدمات بھی مہیا کی جاتی ہیں۔

فورٹس اسپتال پورے ہندوستان میں سب سے بڑا اور تیزی سے بڑھتا ہوا اسپتال نیٹ ورک ہے۔مریضوں کی مکمل نگہداشت کے ساتھ عمدہ علاج اور ماہر ڈاکٹروں کی خدمات کے ذریعے مریضوں کا کامیاب علاج اس اسپتال کی خصوصیت ہے۔ ہندوستان کے علاوہ بین الاقوامی سطح پر بھی اس طبی نیٹ ورک کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہورہی ہے اور دنیا کے بہت سے ملکوں سے لوگ یہاں علاج کے لیے آتے ہیں۔ اس کی شاخیں دہلی کے علاوہ گڑگاؤں، بنگلور اور کولکاتا وغیرہ میں بھی ہیں۔ اس میں بچوں کے جملہ امراض کے علاج اور ان کی مکمل نگہہ داشت کی سہولت چوبیس گھنٹے دستیاب ہے۔

ان کے علاوہ میکس سپر اسپیشلٹی اسپتال دہلی، منی پال اسپتال (دہلی و بنگلور)، گلینگلس گلوبل اسپتال چنئی، بی ایل کے سپر اسپیشلٹی اسپتال دہلی، آرٹیمس وومین اینڈ چائلڈ کیئر سینٹر دہلی، ایس ایل رہیجا اسپتال ممبئی، کولمبیا ایشیا اسپتال کولکا تاوغیرہ بھی بچوں کے مشہور اسپتال ہیں جہاں ہر قسم کے امراض اطفال کے علاج کی سہولت حاصل ہے۔

اس سلسلے میں ایک اہم ترین ادارہ شری ستیہ سائی ہیلتھ اینڈ ایجوکیشن ٹرسٹ کا تذکرہ ناگزیر ہے، جس کے تین اسپتال مہاراشٹر کے نوی ممبئی، ہریانہ کے پلول اور چھتیس گڑھ کے نیا رائے پور میں بچوں کو بالکل مفت علاج فراہم کرتے ہیں۔ خاص طور پر ان بچوں کے علاج کے حوالے سے یہ اسپتال مشہور ومقبول ہیں، جو دل کی بیماری کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ایک رپورٹ کے مطابق ہر سال دو لاکھ چالیس ہزار بچے دل کی بیماریوں کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں، جو بچوں کی اموات کی ایک اہم وجہ ہے، ان کا صحیح اور کامیاب علاج کئی وجوہات سے مشکل ہوتا ہے۔اسی عام پریشانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس ٹرسٹ نے سری ستیہ سائی سنجیونی سنٹر برائے چلڈرن ہارٹ کیئر کے ذریعے پیدائشی طور پر پائے جانے والے دل کے امراض سے نمٹنے کی طرف ایک کامیاب سفر شروع کیا ہے۔اس کے تینوں اسپتالوں میں دل کے مریض بچوں کا مکمل طور پر مفت علاج کیا جاتا ہے اور ان کو صحت مند بچپن کے تحفے سے نوازا جاتا ہے۔ سری ستھیہ سائی ٹرسٹ نے نومبر 2012 میں چھتیس گڑھ کے ناورائے پور میں بچوں کے دل کے امراض کے مفت علاج کا پہلا سینٹر شروع کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس سینٹر کا ڈھانچہ (عمارت) بھی دل کی شکل کا بنایا گیا ہے، جو دیکھنے میں نہایت خوبصورت اور پرکشش لگتا ہے۔اس ادارے کے دوسرے سینٹر سری ستہ سائی سنجونی انٹرنشنل سنٹر برائے چلڈرن ہارٹ کیئرس اینڈ ریسرچ کا افتتاح ہندوستان کے وزیر اعظم نریندر مودی نے نومبر 2016 میں ہریانہ کے پلول ضلع میں کا تھا۔ تیسرا سینٹر، سری ستھن سائی سنجولنی سنٹر برائے چائلڈ ہارٹ کیئر اینڈ ٹریننگ ان پڈایاٹرک کارڈیک اسکلز کے نام سے نوی ممبئی میں نومبر 2018 میں شروع کیا گیا ہے۔ان سینٹرز میں اب تک دس ہزار سے زائد کامیاب سرجریاں کی جاچکی ہیں۔خاص بات یہ ہے کہ ان کی خدمات کا دائرہ بلاتفریق مذہب وقومیت تمام انسانوں تک پھیلا ہوا ہے اور اب تک ہندوستان کے علاوہ بارہ دیگر ملکوں کے بچوں کے دلوں کا بھی کامیاب علاج ان اسپتالوں میں کیا جاچکا ہے۔ پچھلے سال کورونا وائرس اور لاک ڈاؤن کے دوران جہاں ان اسپتالوں نے مریضوں کو مفت علاج مہیا کیا، وہیں ضرورت مندوں کے درمیان اشیائے خوردو نوش تقسیم کر کے بھی انسانیت کی خدمت انجام دی ہے۔ شری ستیہ سائی ہیلتھ اینڈ ایجوکیشن ٹرسٹ کا قیام 1970 میں شری ستیہ سائی کے ذریعے عمل میں آیا، جس کا مقصد بچوں کی تعلیم اور صحت کے شعبے میں کام کرنا تھا۔ٹرسٹ نے دیف کرناٹک کے وائٹ فلڈی میں واقع سری ستھی سائی جنرل ہاسپٹل کے ساتھ صحت کے شعبے میں اپنی خدمات کا آغاز کیا، جہاں اب تک 20 لاکھ سے زائد مریضوں کا علاج کیا جاچکا ہے۔اس کے علاوہ یہ ادارہ مہاراشٹر، چھتیس گڑھ اور ہریانہ میں میڈیکل ایجوکیشن اور ریسرچ کے مراکز بھی چلاتا ہے۔

(معلومات مختلف ویب سائٹس سے لی گئی ہیں)

■

Md. Nayab Hasan
Mob.: 7011079777

ادب اطفال کے معمار
نظیر اکبر آبادی

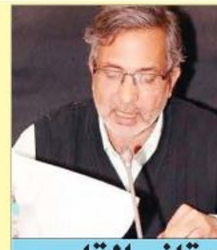

حقانی القاسمی

پیارے بچو! پرانے زمانے میں ایک شاعر تھے جو آپ ہی جیسے بچوں کی طرح معصوم، سیدھے سادے تھے، نہ کوئی چھل نہ کپٹ، نہ بغض، نہ کینہ، نہ انا نہ تکبر اور بچوں ہی کی طرح میلے ٹھیلے میں جانے کے شوقین شاید کبھی پتنگیں اڑاتے ہوں گے، کبھی جمنا ندی میں تیرتے بھی ہوں گے، کبھی ہولی بھی ہوں گے۔ جیسے آپ کو گلگلے اور چیلے بہت پسند ہیں ان کو بھی بہت پسند تھے۔ انھیں بچوں سے بہت پیار تھا۔ راستے میں کوئی بچہ انھیں نظر آتا تو اس سے بڑی شفقت اور محبت سے بات کرتے اور اگر بچے کھیل رہے ہوتے تو وہ بھی اس کھیل میں شامل ہوجاتے۔ وہ بچوں میں بچے بن جاتے تھے۔ یہ ان کی بہت بڑی خوبی تھی۔ شاید وہ بچوں کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھے اور ان کی دلچسپیوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ بچپن کا سنہرا زمانہ وہ کبھی بھول نہیں پائے، اسی لیے انھوں نے طفلی کے زمانے کو یاد کرتے ہوئے یہ نظم لکھی تھی۔

بھونپو کوئی بجالے، پھرکی کوئی پھرا لے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے
یہ بالے پن کا، یارو، عالم عجب بنا ہے
یہ عمر وہ ہے، اس میں جو ہے سو بادشا ہے
اور سچ اگر یہ پوچھو تو بادشہ بھی کیا ہے
اب تو نظیر میری سب کو یہی دعا ہے
جیتے رہیں سبھوں کے آس و مراد والے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

انھوں نے پوری زندگی اسی معصومیت اور طفلانہ بادشاہی کو برقرار رکھا۔ بچوں کے پسندیدہ پرندوں، جانوروں پر نظمیں لکھیں۔ نہ جانے کیسے کیسے چرند پرند ان کی نظموں کا موضوع بنے۔ انھوں نے ان تہواروں پر بھی نظمیں لکھیں جو بچوں کو بہت پسند ہیں۔ عید، شب برات، ہولی، دیوالی سب کو انھوں نے اپنا موضوع بنایا۔ ان کا ذہن ہر طرح کے تعصب سے پاک اور انسانی محبت سے معمور تھا۔

پیارے بچو! اس بڑے شاعر کا نام نظیر اکبر آبادی تھا جنھوں نے وہ نظمیں لکھیں جو بچوں کو بہت پسند ہیں۔ اسی لیے انھوں نے بچوں کا حقیقی شاعر بھی کہا جاتا ہے۔ انہی کے حوالے سے ادب طفال کے ایک بڑے ادیب حافظ کرناٹکی نے 'ادب اطفال کے معمار: نظیر اکبر آبادی' کے عنوان سے کتاب لکھی ہے تاکہ ہمارے نونہال اپنے بڑوں کے بچپن،

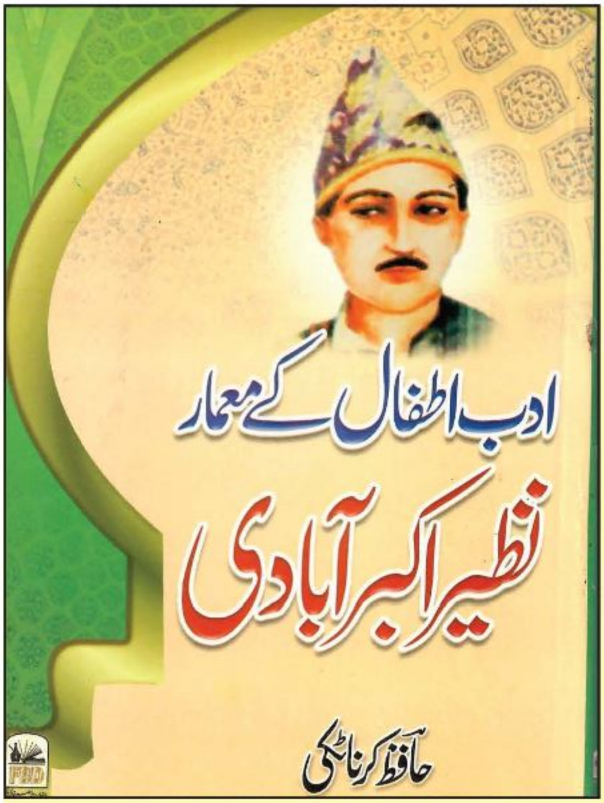

ادب اطفال کے معمار: نظیر اکبر آبادی، مصنف: حافظ کرناٹکی، صفحات: 180، قیمت: 90 روپے، سنہ اشاعت: 2020، ملنے کا پتہ: فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ، نئی دہلی

عادات واطوار، کمالات، امتیازات سے واقف ہوسکیں۔ حافظ کرناٹکی نے بچوں کے لیے ڈھیر ساری کتابیں لکھی ہیں اور بچوں کا رسالہ بھی نکالا ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے یہ بتایا ہے کہ اتنے بڑے شاعر ہوتے ہوئے بھی نظیرا کبرآبادی نے بچوں کی پسند و ناپسند، نفسیات، جذبات، احساسات کا خاص خیال رکھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”نظیرا کبرآبادی کو بچوں سے بڑا پیار تھا، بچے انھیں اپنا دوست سمجھتے تھے اور یہ بچوں کو اپنا دوست جانتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سارے محلے اور گلی کے بچے نظیرا کبرآبادی کو گھیرے رہتے تھے اور نظیر بھی نہایت دلچسپی و شوخی سے ان بچوں کے ساتھ ہنستے، بولتے اور گاتے بجاتے رہتے تھے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ نظیر ان بچوں کی خاطر کوئی تفریحی نظم بھی لکھ دیا کرتے تھے۔ نظیرا کبرآبادی کی نواسی کہتی ہیں کہ نانا کی زندگی میں میں بہت ہی چھوٹی تھی۔ نانا جب کبھی گھر آتے اور میں بھاگ کر ان کے پاس جاتی تو مجھ کو دیکھ کر باغ باغ ہوجاتے اور گانے لگتے۔

موہن میرے آئے/للن میرے آئے/کنچن میرے آئے“

(ص51)

پیارے بچو! نظیرا کبرآبادی کو بچوں سے اس لیے بھی پیار تھا کہ وہ بچوں کو پڑھانے کا کام بھی کرتے تھے۔ انھیں بچوں کے ذوق، جذبہ، ذہن اور پسند و ناپسند کا پتہ تھا۔ وہ بنیادی طور پر درویش صفت آدمی تھے۔ انھوں نے فقیرانہ زندگی گزاری مگر اردو شعروادب کو مالا مال کردیا۔

بچو! ان کی بہت ساری نظمیں ہیں جو آپ کی دلچسپی اور پسند کی بھی ہوسکتی ہیں۔ آدمی نامہ، روٹیاں، پیسہ نامہ، مفلسی، چپاتی نامہ، بنجارہ نامہ ان کی مشہور نظمیں ہیں۔ آپ لوگوں نے یہ ضرور سنا ہوگا۔

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

یہ نظیرا کبرآبادی کا ہی ہے۔ اسی طرح ’آدمی نامہ‘ کے یہ شعر سنیے۔

دنیا میں بادشا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
زردار، بے نوا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

آدمی کے بارے میں یہ کتنی اچھی تصویر کشی ہے اور یہ وہی شخص لکھ سکتا ہے جسے ہر طرح کے آدمیوں سے محبت اور پیار ہو جسے سب کے دکھ درد کا احساس ہو۔ ان کی ہر نظم میں ایک نصیحت ہے، ایک سبق ہے۔ انھوں نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ ان کا مشاہدہ اور تجربہ ہے۔ انھوں نے سماج میں جو کچھ دیکھا، محسوس کیا ہے اسے شاعری کے پیکر میں ڈھال دیا۔ سچ مچ وہ عوام کی آواز تھے اور اس عوام میں آپ جیسے بچے بھی شامل ہیں جن کے جذبات و احساسات کو انھوں نے بہت خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ کبھی موقع ملے تو نظیرا کبرآبادی کی شاعری سے ملاقات کیجیے۔ آپ کو انسان اور سماج کے بارے میں بہت کچھ وہ معلوم ہوگا جو بھاری بھرکم کتابوں سے کبھی نہیں پتہ چل پائے گا۔ نظیر نے انسانی زندگی کا بہت گہرائی سے مطالعہ کیا تھا اس لیے فلسفے بگھارے بغیر ان کی شاعری میں ہمارے سماج کی ساری سچائیاں سمٹ آئی ہیں!

حافظ کرناٹکی کی یہ بہت اہم کتاب ہے۔ انھوں نے ایک ایسے بڑے شاعر کو بچوں کے ادیب کی حیثیت سے پیش کیا ہے جنھیں بچوں سے بہت بے پناہ محبت اور شفقت تھی۔ ■

Haqqani Al-Qasmi
Mob.: 9891726444
Email.: haqqanialqasmi@gmail.com

باہم مماثل الفاظ

اَبَد= ا+بَد=(ذ)= همیشه۔ (آیندَه)۔
عَبد=عَب+د=(ذ)= بَندَه۔ غلام۔
اَتباع= اَت+بَا+ع= (ذ)= تابِع کی جمع۔ پَیرو۔
اِتّباع= اِت+تِ+با+ع=(ذ۔ث)= پَیرَوی۔ پَیرَوی کرنا۔
اَثَاث= اَ+ثا+ث= (ذ)= سامان۔
اِساس= اِ+سا+س= (ث) بنیاد۔ جَڑ۔ اَصل۔
اَثَر= اَ+ثَر= (ذ) = نتیجه۔ تاثیر۔
عَصر=عَص+ر=(ذ)= زمانه۔ تیسرا پهر ۰
اِحرَام= اِح+رَا+م= (ذ)= حج کے وقت پهنا جانے والا کپڑا۔
اَهرَام= اَه+را+م= (ذ) مصر کے قدیم مقبرے۔
اِذکار= اِذ+کَا+ر= (ذ)= خدا کے نام کا ذکر کرنا۔
اَذکار= اَذ+کا+ر= (ذ) ذِکر کی جمع۔
اَسرَار=اَس+رَا+ر=(ذ)= سِر کی جمع۔ بهید، راز
اِصرَار=اِص+رَا+ر= (ذ)=ضد تکرار
اِسرَاف= اِس+رَا+ف= (ذ)= فضول خرچی
اِصرَاف= اِص+رَا+ف= (ذ)= خرچ کرنا
آرَا= آ+رَا= (ذ) = لکڑی یا لوها وغیره چیرنے کا آله
آرَاء= آ+رَا+ء= (ث)= رائے کی جمع
اَربَع = اَر+بَع = چار۔ (برائے مونث)
اَربَعَه= اَر+بَ+عَه= چار= (برائے مذکر)
اَرض= اَر+ض= (ث) = زمین۔
عَرض= عَر+ض= (ذ)= چوڑائی۔
عَرض=عَر+ض=(ث)= التماس
آری= آ+رِی= (ث)= لکڑی یا کوئی دَهات کاٹنے کا اوزار۔
عارِی= عَا+ رِی= عاجز۔
اَسَد= اَ+سَد= (ذ)= شیر

اَسعَد= اَس+عَد= زیاده سعد۔ زیاده مبارك۔
آسِی= آ+سِی=امیدوار۔
عَاصِی= عَا+صِی= (ذ) = گناه گار (مرد)
آسِیَا= آ+سِ+یَا=(ث)= چکی۔
آسِیَه= آ+سِ+یَه=(ث)= فرعون کی بیوی کا نام، لڑکی کا نام
عَاصِیَه= عَا+صِ+یَه=(ث)= گناهگار (عورت)
اِشکال= اِش+کَا+ل= (ذ)= غیر واضح، شك۔
اَشکال= اَش+کَا+ل=(ث)= شکل کی جمع۔
اَصل= اَص+ل= (ث)= جَڑ، مادّه، بنیاد۔
عَسَل= عَ+سَل= (ذ)= شهد۔
اِعرَاب= اِع+رَا+ب= (ذ) = زِیر، زَبر، پِیش، وغیره۔
اَعرَاب= اَع+رَا+ب= (ذ) = عرب کے دیهاتی لوگ۔
اِغماز= اِغ+مَا+ز= (ذ)= غمزه کرنا، بخره کرنا، اترانا۔
اِغماض= اِغ+مَا+ض= (ذ) = چشم پوشی، درگزر۔
اِفهَام= اِف+هَا+م= (ذ)= سمجهانا۔
اَفهام= اَف+ها+م= (ذ) فهم کی جمع، سمجھ، عقل۔
اِقدَام= اِق+دَا+م= (ذ)= آگے بڑھنا، پیش قدمی۔
اَقدام= اَق+دَا+م= (ذ) قدم کی جمع۔
اَقرَب= اَق—رَب= (ذ) زِیاده قریب، رشته دار۔
عقرب= عَق—رَب= (ذ)= بچھو۔
اِلحان= اِل+حَا+ن= اچھی آواز سے گانا۔
اَلحَان= اَل+ حَا+ن= اچھی آوازیں، لحن کی جمع۔

■

مآخذ: صحت الفاظ، مصنف: سید بدرالحسن، ساتویں اشاعت: 2019، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

چمن چمن کے پھول

شاعری میں بڑی طاقت ہے۔ اس سے تحریر و تقریر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، خطاب میں زور اور تحریر میں قوت پیدا کرنے کے لیے اشعار کا استعمال بہت کارگر ہوتا ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کو استاد شعرا کے ہزاروں اشعار یاد ہوا کرتے تھے اور وہ موقعے کی مناسبت سے ان اشعار کا استعمال بھی کیا کرتے تھے۔

'چمن چمن کے پھول' میں مختلف رنگ اور شاعروں کے شعر اس لیے دیے جاتے ہیں تا کہ بچے موضوع کی مناسبت سے اچھے اشعار یاد کریں اور اپنی تحریر و تقریر میں اشعار کا موزوں اور برمحل استعمال کرسکیں۔ (ادارہ)

وہ پھول سر چڑھا جو چمن سے نکل گیا
عزت اسے ملی جو وطن سے نکل گیا

مست کلکتوی

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

حفیظ جونپوری

شرم آتی ہے کہ اس شہر میں ہم ہیں کہ جہاں
نہ ملے بھیک تو لاکھوں کا گزارا ہی نہ ہو

جاں نثار اختر

عادت سی بنا لی ہے تم نے تو منیر اپنی
جس شہر میں بھی رہنا اکتائے ہوئے رہنا

منیر نیازی

کس حال میں ہے شہر یہ دیکھیں گے پھر کبھی
پہلے ذرا پڑوس کا گھر دیکھتے چلیں

ظفر گورکھپوری

گھر لوٹ کے روئیں گے ماں باپ اکیلے میں
مٹی کے کھلونے بھی سستے نہ تھے میلے میں

قیصر الجعفری

کوئی ہاتھ بھی نہ ملائے گا جو گلے ملوگے تپاک سے
یہ نئے مزاج کا شہر ہے ذرا فاصلے سے ملا کرو

بشیر بدر

شہرت ملی تو اس نے بھی لہجہ بدل دیا
دولت نے کتنے لوگوں کا شجرہ بدل دیا

منور رانا

گاؤں کا گھر چھوڑنے کا دکھ تو تھا اس کو مگر
پیٹ بھر روٹی ملی تو شہر بھی اچھا لگا

سجاد سید

قرض کے ملبے میں دب کر رہ گیا ہر اک مکیں
کتنا مہنگا پڑ گیا ہے خواب میں گھر دیکھنا

احمد رئیس نظامی

زمین بیچ کر جو گاؤں سے چلے آئے
تمام عمر وہ شہروں میں بوجھ ڈھوتے ہیں

ملک زادہ جاوید

■

ماخذ: رنگا رنگ اردو شاعری، مرتب: ٹی این راز، سنہ اشاعت: 2020، ناشر: ایم آر پبلی کیشنز، نئی دہلی

مصباح شیخ سمیر منہاج، راشدہ بیگم دیشمکھ اردو ہائی اسکول، مزروادی، اورنگ آباد، مہاراشٹر

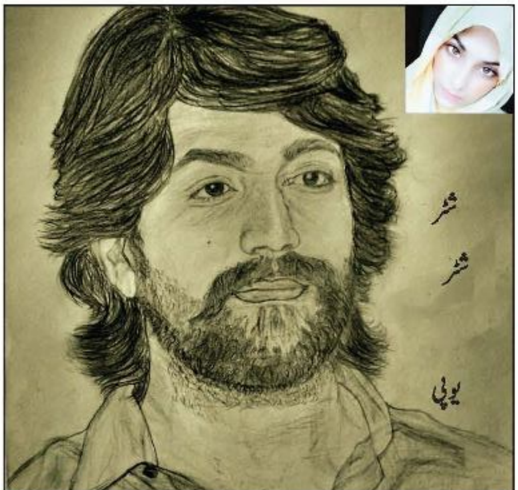

شاہینہ صدیقی، شیدا بگھونوی، شاہ پور بگھونی، سمستی پور، بہار

مومن صدیقہ مبین احمد، درجہ پنجم (سی)، دی مالیگاؤں گرلس ہائی اسکول، مالیگاؤں، مہاراشٹر

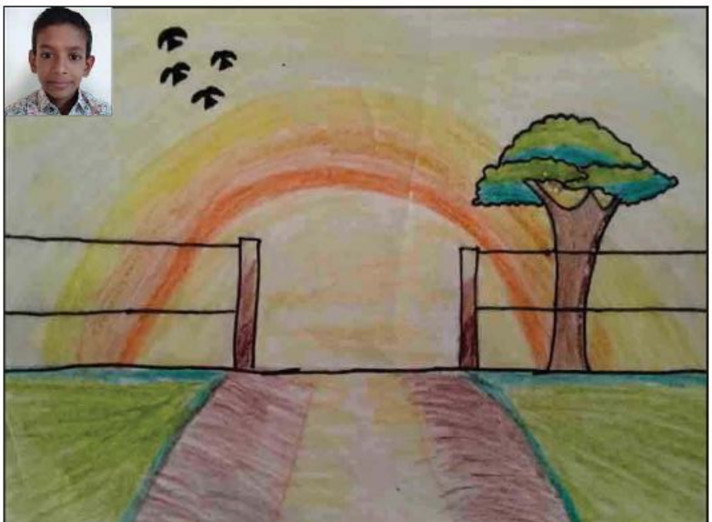

عبدالودود مشتاق احمد، نیشنل سیمی انگلش ہائی اسکول، دھولیہ، مہاراشٹر

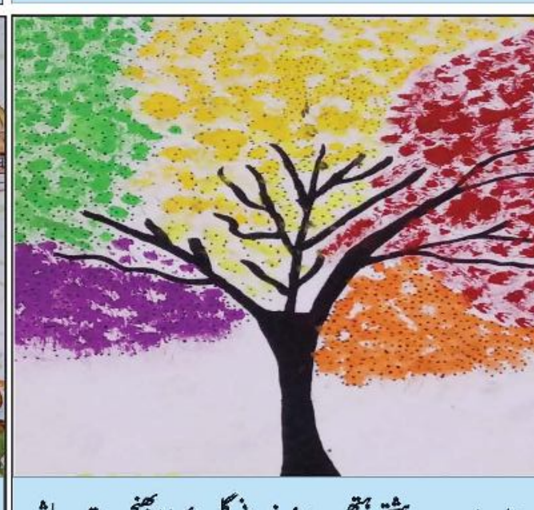

مشاہد جاوید، درجہ ہشتم، ہتھی مداری نورانی گلی، مئوناتھ بھنجن، اتر پردیش

سیدہ ام خنساء بنت شمس الدین ندوی، درجہ پنجم، برلینٹ اورینٹل اسکول پکا تالاب، فتح پور،

ایک کلک پر ادب اطفال کا بیش بہا خزانہ

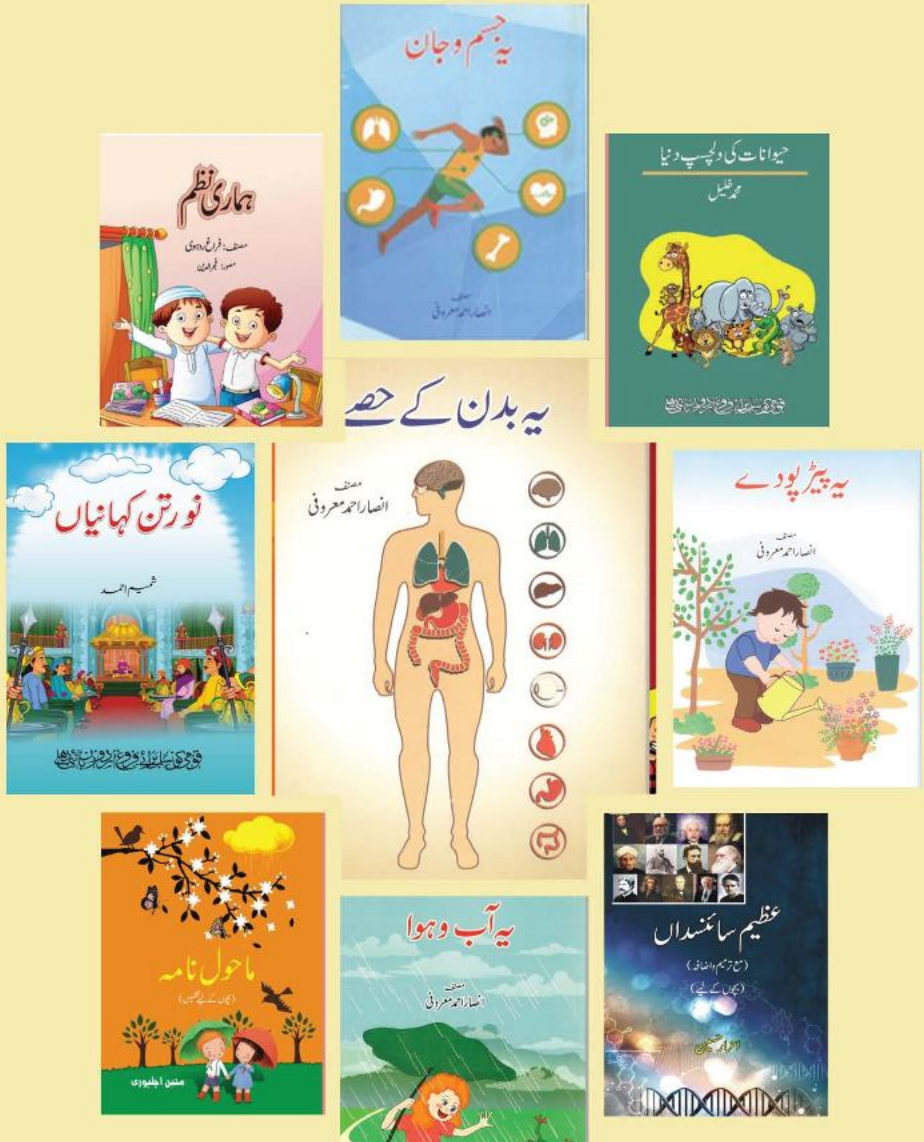

پیارے بچو! آپ کے ذوق کی کتابیں اگر نہیں مل پا رہی ہیں تو مایوس نہ ہوں۔ قومی اردو کونسل کے موبائل ایپ (ekitaab) اور ویب سائٹ (https://www.urducouncil.nic.in/) پر آپ کے لیے بہت سی مفید کتابیں موجود ہیں۔ اسے آپ ڈاؤن لوڈ کر کے پڑھ سکتے ہیں۔

BACHON KI DUNIYA Monthly, April 2021 Vol. 09, Issue: 04
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/03/2021
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

صفحات:112، قیمت:25 روپے

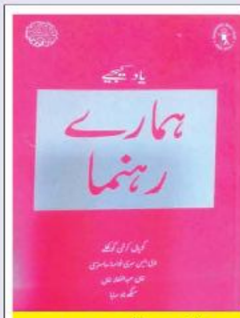

صفحات:108، قیمت:35 روپے

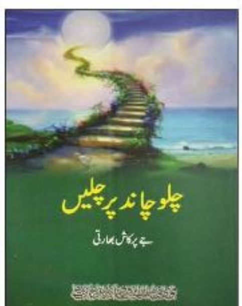

صفحات:48، قیمت:15 روپے

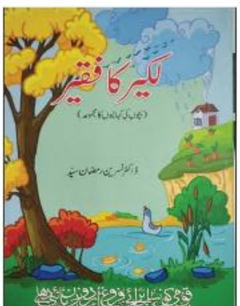

صفحات:82، قیمت:35 روپے

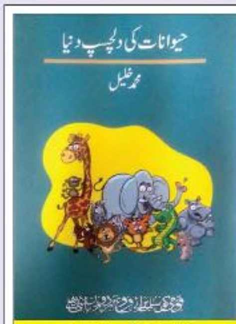

صفحات:83، قیمت:24 روپے

صفحات:61، قیمت:20 روپے

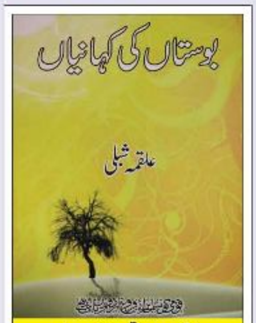

صفحات:87، قیمت:22 روپے

صفحات:61، قیمت:20 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.